

شہدائے کربلا

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقویؒ

(۵۴) مسلم بن کثیر اعرج

اتنے ہی الفاظ میں ان کا نام رجال شیخ طوسی میں اصحاب امام حسینؑ کی فہرست میں درج ہے لیکن ان کا نام و نسب حسب ذیل ہے:-

مسلم بن کثیر بن قلیب صدفی ازدی، قبیلہ ازدشنو، میں سے۔ اعرج یعنی لنگ تھے۔ جنگ جمل میں امیر المومنینؑ کی نصرت میں شریک جنگ رہے اور پنڈلی پر تیر پڑا جس کا اثر ہمیشہ رہا۔ انہوں نے زمانہ رسالتؐ کا ادراک بھی کیا تھا۔^(۱)

کوفہ سے نصرت امام حسینؑ کے لئے روانہ ہوئے اور کربلا میں آکر قدمبوس ہوئے۔^(۲) حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔^(۳)

’ناخ‘ میں مناقب کے حوالہ سے شہداء حملہ اولیٰ میں ان کا نام اسلم بن کثیر ازدی اعرج لکھا ہے۔^(۴) اس کا ماخذ زیارت شہداء کا پیش نظر نسخہ ہے جس میں سلام اس طرح ہے:-

”السلام علی اسلم بن کثیر الازدی۔“

صاحب ناخ نے بھی زیارت کو اسی صورت سے نقل کیا ہے بلکہ اس میں ’الازدی‘ کے بعد ’الاعوج‘ کی لفظ کا اضافہ کیا ہے جو ’الاعرج‘ کی خرابی ہے۔ لیکن یہ سب روایتی تحریفیں ہیں جن کی اصل وہی ایک ہے۔“

(۱) تنقیح المقال، ج ۳ ص ۲۱۵ (۲) ابصار العین، ص ۱۰۸

(۳) مناقب، ج ۴ ص ۹۹ (۴) ناخ التواریخ، ج ۶ ص ۳۶۸

(۵۵) مقسط بن زہیر بن حارث تغلبی

یہ اور ان کے دو بھائی قاسط اور کردوس، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اصحاب امیر المومنینؑ میں تھے اور حضرت کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے۔ کربلا میں خفیہ طریقہ پر نصرت امام حسینؑ کے لئے آئے اور حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔^(۱)

رجال شیخ طوسیؒ میں ان کا ذکر اصحاب امام حسینؑ میں موجود ہے۔ بیشک علامہ مامقانی کا یہ تعجب حق بجانب ہے کہ زیارت شہداء میں قاسط اور کردوس ان کے دونوں بھائیوں پر سلام موجود ہے لیکن ان کا کوئی ذکر نہیں۔^(۲) ممکن ہے یہ راویوں کے حذف واسقاط کا نتیجہ ہو۔

(۵۶) منیع بن زیاد

علامہ مامقانیؒ زیارت رجبیہ سے ان پر سلام کا حوالہ دیتے ہیں اور یہ کہ ان کا نام وہاں ”منیع بن زیاد“ ہی درج ہے لیکن رجال شیخ طوسیؒ میں اصحاب امام حسینؑ کے ذیل میں ”منیع بن رقاد“ لکھا ہے۔^(۳)

(۵۷) نصر بن ابی نضیر

ابونضیر نجاشی بادشاہ حبشہ یا کسی اور ملک عجم کے بادشاہ کی نسل سے تھے۔ بچپن میں شرف اسلام سے بہرہ اندوز ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ رسالتؐ کی خدمت میں لائے گئے اور اسلام لائے۔ حضرت نے ان کی تربیت کی۔ آپ کی وفات

(۱) ابصار العین، ص ۱۱۵ (۲) تنقیح المقال، ج ۳ ص ۲۴۶

(۳) تنقیح المقال، ج ۳ ص ۲۵۲

الخزرجی، وہ اور ان کے دو بھائی نصر اور نعمان اصحاب امیر المومنینؑ میں سے تھے اور جنگ صفین میں کارنمایاں انجام دیئے تھے اور یہ تینوں شجاعان روزگار اور شعراء میں سے تھے۔^(۱)

نعمان بن عجلان کو امیر المومنینؑ نے عمرو بن ابی سلمہ مخزومی کو معزولی کے ساتھ بحرین کا حاکم مقرر کیا۔^(۲)

نصر اور نعمان دونوں نے امام حسنؑ کی خلافت کے زمانہ میں انتقال کیا اور نعیم کوفہ میں قیام پذیر رہے۔ جب امام حسینؑ سرزمین عراق پر پہنچے تو وہ کوفہ سے نکل کر خدمت امام میں آئے۔^(۳)

اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔^(۴)
زیارت شہداء میں ان پر سلام ہے:-

”السلام علی نعیم بن عجلان الانصاری۔“
یہاں پر حملہ اولیٰ کے پچاس شہداء کی تعداد پوری ہوگئی۔ مذکورہ بالا تفصیل اس اجمالی فہرست سے کافی اختلاف رکھتی ہے جو محاربہ کربلا میں درج کی گئی تھی۔ یہ تجدید نگاہ اور ذوق تحقیق کا لازمی نتیجہ ہے۔ آئندہ کے ایڈیشن میں اس فہرست کو اسی تفصیل کے مطابق کر دینا چاہئے۔
اب وہ لوگ ہیں جو حملہ اولیٰ کے بعد سے نماز ظہر تک شہید ہوئے:-

(۶۰) بکر بن جی بن تیم اللات بن ثعلبہ تیمی
عمر سعد کی فوج کے ساتھ کربلا آئے تھے مگر جنگ چھڑنے کے بعد توفیق الہی دستگیر ہوئی اور امام حسینؑ کے ساتھ آکر شریک جہاد ہو گئے حملہ اولیٰ کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔^(۵)

(۱) تنقیح المقال، ج ۳ ص ۲۷۴ (۲) نبح البلاغ، مطبوعہ مصر، ج ۳ ص ۶۹

(۳) تنقیح المقال، ج ۳ ص ۲۷۴ (۴) مناقب، ج ۴ ص ۹۹

(۵) البصار لعین، ص ۱۱۳

کے بعد وہ امیر المومنینؑ کی خدمت میں رہے اور آپ کے ایک مملوکہ نخلستان میں اصلاح و تربیت پر مامور ہوئے۔ کامل میں ان کے حالات کا تذکرہ ہے اور ان کی زبانی ایک خاصی طویل روایت امیر المومنینؑ کے چشمہ برآمد کرنے اور اسے وقف کرنے کے بارے میں درج کی گئی ہے۔

ان کے فرزند نصر نے کمسنی اور نوجوانی امیر المومنینؑ اور امام حسنؑ کے ساتھ گزاری اور آخر میں امام حسینؑ کی غلامی میں رہے یہاں تک کہ سفر عراق میں حضرت کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا آئے۔ حملہ اولیٰ میں ان کا گھوڑا کام آیا۔ پھر وہ خود درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔^(۱)

ابن شہر آشوب نے حالات امیر المومنینؑ کے ذیل میں غلاموں کی فہرست میں سعد اور نصر کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ

”قتل مع الحسین“

امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔^(۲)

(۵۸) نعمان بن عمرو ازدی راسبی

کوفہ کے باشندہ، اصحاب امیر المومنینؑ میں سے تھے اور امیر المومنینؑ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک بھی ہوئے تھے۔ شیخ طوسی نے ان کا نام اصحاب امام حسینؑ میں درج کیا ہے۔^(۳)

ان کے بھائی حلاس بن عمرو ازدی کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ کربلا میں دونوں بھائی عمر سعد کی فوج کے ساتھ آئے اور شرائط صلح مسترد ہونے پر آپ کے امام سے ملحق ہوئے۔^(۴)
حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔^(۵)

(۵۹) نعیم بن عجلان انصاری

نعیم بن عجلان بن نعمان بن عامر بن ذریق الانصاری الزرقی

(۱) البصار لعین، ص ۵۵-۵۴ (۲) مناقب، ج ۳ ص ۱۶۲

(۳) تنقیح المقال، ج ۳ ص ۲۷۴

(۴) البصار لعین، ص ۱۰۹ (۵) مناقب، ج ۴ ص ۹۹

(۶۱) عمرو بن جنادہ بن کعب خزرجی

ان کے باپ جنادہ بن کعب کا تذکرہ حملہ اولیٰ کے مقتولین میں ہو چکا ہے۔ عمرو بن جنادہ کا میدان کربلا میں تو دس برس کا سن تھا۔^(۱)

ان کی شہادت کا واقعہ میں نے ’محاربہ کربلا‘ میں تفصیل سے لکھا ہے۔

بچہ کا خدمت امام میں آکر طلب رخصت ہونا اور امام کا توقف فرمانا اور یہ کہنا کہ اس کے قتل سے اس کی ماں کو تکلیف پہنچے گی اور بچہ کا کہنا کہ مجھے میری ماں ہی نے بھیجا ہے اور مجھے جنگ کا لباس انہوں ہی نے پہنایا ہے۔ یہ تمام اس روایت کے اجزاء ہیں جو مسلم بن عوسجہ کے فرزند کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور عام طور سے ذاکرین کی زبان پر آیا کرتی ہے۔ اس کے متعلق میں نے سابق میں مسلم بن عوسجہ کے حالات میں تبصرہ کیا ہے۔

عمرو بن جنادہ کے قتل ہونے پر دشمنوں نے ان کا سر کاٹ کر خیام حسینی کی طرف پھینک دیا۔ بیوہ ماں نے فرزند کا سراٹھالیا اور شاباشی دی پھر اس سر کو فوج دشمن کی طرف پھینک دیا اور خود عمود خیمہ لے کر میدان جنگ میں آگئی۔ امام نے اسے گوارا نہ کیا اور اس عورت کو خیمہ کی طرف واپس کرادیا۔

ابن شہر آشوب نے عمرو بن جنادہ کے بعد ایک دوسرے نو جوان کی طرف اس واقعہ کو منسوب کیا ہے۔ انھوں نے جنادہ بن حارث انصاری کی شہادت کے بعد ان کے فرزند کے واقعہ کو صرف اس جملہ میں ختم کیا ہے کہ

”ثم برز ابنه فاستشهد ثم برز فتى قائلا:- اميرى حسين و نعم الامير سرور فواد البشير النذير۔“

”پھر ان کا فرزند میدان جنگ میں آیا اور شہید ہوا (یعنی)

(۱) تنقيح المقال، ج ۲ ص ۳۷۷

پھر ایک جوان میدان میں آیا یہ رجز پڑھتا ہوا کہ امیری حسین و نعم الامیر۔ الخ

اور اس روایت کے تتمہ میں درج کیا ہے کہ اس جوان کا سر کاٹ کر اس کی ماں کی جانب پھینک دیا اور وہ میدان جنگ میں آگئی۔^(۱) اس میں رخصت کے وقت کی صورت امام کا اجازت دینے سے انکار کرنا اور بچہ کا کہنا کہ میری ماں نے بھیجا ہے یہ سب مذکور نہیں۔

صاحب ’ناخ‘ نے اس گنہگار جوان کی شہادت کا عمرو بن مطاع جعفی کی شہادت کے بعد تذکرہ کیا اور وہاں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ اس جوان کا باپ میدان جنگ میں قتل ہو چکا تھا اور وہ ماں کے کہنے سے میدان جنگ میں آیا اور امام نے منع کیا اس لحاظ سے کہ اس کی ماں اس کو برداشت نہ کر سکے گی اور جوان نے کہا کہ میری ماں ہی نے مجھ کو بھیجا ہے۔ وہ میدان جنگ میں آیا اور وہی رجز پڑھی:

امیری حسین و نعم الامیر۔۔۔ الخ
پھر اس کا سر قلم کر کے خیام حسینی کی طرف پھینکا گیا اور ماں نے اٹھالیا پھر فوج دشمن کی طرف پھینک دیا اور خود میدان جنگ میں آکر لڑنے لگی۔ لیکن امام نے واپس بلا لیا۔^(۲)

اب یہ روایت بالکل عمرو بن جنادہ والی روایت سے متحد ہوگئی۔ مگر انھوں نے عمرو بن جنادہ کی شہادت کا تذکرہ پھر اس کے بعد ان کے باپ جنادہ بن حارث کی شہادت کے بعد کیا ہے۔ اور ان کی ایک بالکل خاص الخاص نئی رجز بھی لکھی ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

اضق الخناق من ابن هند وارمه
من عامة بغوارس الانصار^(۳)
یہ اشعار بالکل رجز کے انداز سے علیحدہ ہیں اور ذوق سلیم

(۱) مناقب، ج ۴ ص ۹۵ (۲) ناخ التواريخ، ج ۶ ص ۷۳

(۳) ناخ، ج ۶ ص ۷۴

ان کی صحت سے انکار رکھتا ہے۔

(۶۲) یزید بن حصین مشرقی

کوفہ کے رہنے والے بڑے عبادت گذار انسان اور شجاع و بہادر تھے۔ شیخ طوسی نے انھیں اصحاب امام حسینؑ میں محسوب کیا ہے۔ جناب مسلم بن عقیل کے کوفہ آنے پر ان کی بیعت کی اور مسلم کے قتل ہونے پر یہ کوفہ سے باہر نکلے اور امام حسینؑ سے جا کر ملحق ہوئے۔ کربلا میں جب فرزند رسولؐ پر پانی بند کیا گیا تو یزید بن حصین نے امام سے اجازت طلب کی کہ عمر سعد کے پاس جا کر پانی کے باب میں گفتگو کریں۔ امام نے اجازت دی۔ وہ عمر سعد کے پاس آئے اور گفتگو کی جو ناکام ہوئی۔ آخر اپنی جگہ پر واپس آئے روز عاشورہ نماز ظہر کے قبل جہاد کر کے شہید ہوئے۔^(۱)

زیارت شہداء میں ان پر سلام بایں الفاظ ہے:-

”السلام علی یزید بن حصین الہمدانی
المشرفی القاری المجدل بالمشرقی۔“

صاحب ’ناخ‘ نے نام ان کا ان شہداء میں درج کیا ہے جنہیں مورخین محدثین نے نہیں لکھا ہے اور صرف زیارت میں ان کے نام کا تذکرہ ہوا ہے۔^(۲)

مجھے بعض قرائن کی بناء پر یہ شبہہ پیدا ہو رہا ہے کہ یزید بن حصین نام کے کوئی شہید نہیں تھے بلکہ یہ ”بریر بن خضیر“ ہمدانی کے نام کی مغلوٹ صورت ہے۔ ممکن ہے آئندہ میرا یہ شبہہ یقین کا درجہ حاصل کر لے اور یہ نام بالکل ساقط ہو جائے۔

(۶۳) حبیب ابن مظاہر اسدی

نام و نسب

حبیب بن مظاہر بن رباب بن اشتر بن نجوان بن
فقہس بن طریف بن عمرو بن قیس بن حارث بن ثعلبہ

(۱) تنقیح المقال، ج ۳ ص ۳۳۵ (۲) ناخ التواریخ، ج ۶ ص ۲۷۹

بن دودان بن اسد کنیت ابو القاسم۔ قبیلہ کے لحاظ سے اسدی فقہی کہلاتے تھے اور عرب کے مشہور شہسوار شاعر ربیعہ بن حوط بن رباب کے چچا زاد بھائی تھے۔

طبقتہ

ابن کلبی کی روایت کے مطابق وہ صحابی تھے اور رسولؐ کی زیارت کی تھی۔^(۱)

شیخ طوسی نے انہیں اصحاب امیر المومنینؑ اور پھر اصحاب امام حسنؑ اور اصحاب امام حسینؑ تینوں بابوں میں درج کیا ہے۔^(۲)

باپ کے نام کی تحقیق

حبیب کے باپ کا نام جو زبان زد خلایق ہے وہ ”مظاہر“ الف کے ساتھ مگر بعض اقوال اس کے خلاف ہیں۔

فاضل سماوی لکھتے ہیں (مظہر) بضم المیم و فتح الطاء المعجمة بزنة محمد علی الاشهر و یضبط بالطاء المہملۃ فی بعض الاصول و یمضی علی السن و فی الکتب مظاہر و هو خلاف المضبوط قدیماً۔^(۳)

(یعنی) مظہر سیم کے ضم۔ طاء کے فتح کے ساتھ ’محمد‘ کے وزن پر ہے جیسا کہ زیادہ تر مشہور ہے اور بعض ماخذوں میں اس کی ’مظہر‘ طائے غیر منقوطہ کے ساتھ تعین کی گئی ہے۔ اور عام طور سے زبانوں پر اور کتابوں میں ”مظاہر“ جاری ہے۔ لیکن یہ اس لفظ کی قدیم تعین کے خلاف ہے۔

اس کے بالکل برخلاف رجال ابن داؤد میں حبیب کا نام درج کرتے ہوئے ان کو ’ابن مظاہر‘ لکھا ہے۔ اور دوسرے قول کو تضعیفی شکل سے اس طرح لکھا ہے کہ قیل مظہر بفتح الطاء وتشدید الہا و کسرہا (یعنی)

(۱) البصار لعین، ص ۵۶ (۲) تنقیح المقال، ج ۱ ص ۲۵۲

(۳) البصار لعین، ص ۶۱

و نحن اعلیٰ حجة والظہر
حقاً واتقوا منکم واعذر (۱)
وہ لکھتے ہیں:

”اُزب ار جوزه کہ از حبیب مرقوم شد معلوم می
شود کہ مظہر نام داشتہ چہ مظاہر خوانیم با سائر
مصرعہا قافیہ نخواہد داشت چہ رعایت الف تاسیس
در نزد عرب از شرائط صحت قافیہ است بر خلاف
عجمان کہ شرط نمیدانند واللہ اعلم۔“ (۲)

لیکن یہ استدلال ان کا بہت کمزور ہے۔ اول تو روایتی
نقطہ نظر سے ان رجزوں کو جو جنگ کے میدانوں میں مختلف
پہلوانوں کی طرف منسوب میں اتنا تاریخی اعتبار حاصل نہیں
ہے جتنا دوسرے واقعات کو اس کے قرائن شواہد بہت ہیں جن
کے لکھنے کے لئے اس وقت تیار نہیں ہوں۔ دوسرے میدان
جنگ کے رجز ہمیشہ وقتی حیثیت ہے اور صرف ایک جوش قلبی
کے مظاہرہ یا ایک رسم کے ادا کرنے کی صورت سے ہوا کرتے
تھے۔ ان میں نہ شاعرانہ ہنرمندیوں کا لحاظ ہوتا تھا اور نہ ہر
جنگ آزمامرد میدان کے لئے شاعری کے فن میں کامل ہونے
کی ضرورت تھی۔ اسی بنا پر اس کے لیے بحر ’رجز‘ منتخب کی گئی
جس میں لا انتہا وسعت حاصل ہے اور سیدھے ٹیڑھے آڑے
بیڑے الفاظ بھی سب اس میں آکر موزوں ہو جاتے ہیں۔
شعراء نے اس بحر کو اسی بناء پر فن شاعری کی سلیقہ مندیوں سے
اس درجہ اجنبی سمجھا کہ اس کا نام ”جمار الشعراء“ رکھ لیا اور قصائد
وغیرہ کے لئے جو شاعری کے کارناموں کا میدان ہیں اس بحر
سے بہت کم کام لیا۔

تیسرے الف تاسیس کا لحاظ عربی میں اگرچہ بایں معنی
ضروری ہے کہ اگر قافیہ مبنی بر الف تاسیس قرار دیا گیا ہے جیسے
عالم قائم دائم وغیرہ تو اس میں ایسا قافیہ نہیں ہونا چاہیے جس

کہا گیا ہے کہ مُظہر طاء کے فتح اور ہاء کے تشدید اور کسرہ کے
ساتھ ہے۔ پھر پہلے قول کی اس طرح تقویت کی ہے کہ
والاول بخط الشيخ رحمة الله لیکن اول
(مظاہر) خود شیخ طوسی کے قلم کی تحریر میں درج ہے:-
شہید ثانی کے حواشی خلاصہ میں لکھا ہے:-

”قال ابن طاووس انه وحده مظاہر بخط عمید
الرؤساء۔“

”سید ابن طاووس کا بیان ہے کہ مظاہر میں نے کاتب
ابن عمید کے قلم کی تحریر میں دیکھا ہے۔“

اس کی تصریح سید ابن طاووس کی کتاب ’تحریر
طاووس‘ کے حاشیہ پر موجود ہے۔

علامہ مامقانی نے اس موقع پر اچھا محاکمہ کیا ہے۔
انھوں نے شیخ الطائفہ اور عمید الروساء کی قلمی تحریروں کے اسناد
پر ”مظاہر“ کو اصح قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ زیادہ تر مشہور
زبانوں پر جاری اور زیارات میں منقول یہی ہے اور میرا خیال
یہ ہے کہ قدیم نسخوں میں جہاں جہاں ”مظہر“ لکھا تھا اس سے
مقصود بھی مظاہر ہی تھا جیسا کہ ”اسماعیل“ کے بجائے ”اسمعیل“
اور ”اسحاق“ کے بجائے ”اسحق“ اور ”قاسم“ کے بجائے ”قسیم“ اور
”حارث“ کے بجائے ”حرث“ لکھنے کا رواج رہا ہے کہ کتابت میں
الف نہیں لکھا جاتا اور قرأت میں پڑھا جاتا ہے۔ (۱)

صاحب نسخ نے اپنا تاریخی اجتہاد اس کے خلاف
صرف کیا ہے لیکن ان کا مستند اس باب میں صرف رجز کا قافیہ
ہے ان کی رجز جو تاریخوں میں مذکور ہے یہ ہے:-

انا حبیب و ابی مظاہر
فارس ہیجاء و حرب تسعر
انتم اعد عدۃ و اکثر
ونحن اوفی منکم و اصبر

(۱) تنقیح المقال، ج ۱ ص ۲۵۳

(۱) تاریخ طبری، ج ۶ ص ۲۵۱ (۲) نسخ التواریخ، ج ۶ ص ۳۶۸

میں الف نہ ہو لیکن اس کے برعکس اگر قافیہ بلا تاسیس ہے اور صرف وہی اس میں بنیاد قافیہ ہے تو اس میں شاذ و نادر طریقہ پر ایسے الفاظ کا آجانا جن میں الف موجود ہے ممنوع نہیں ہے۔ اس صورت میں اس الف کا بصورت ”تاسیس“ لحاظ ہی نہیں کیا جاتا بلکہ صرف نظری پر رکھی جاتی ہے۔

مثلاً مظعم، عیلم، خضرم، وغیرہ کے قوافی میں ”عالم“ آجانا شعرائے عرب کے کلام میں معدوم النظر نہیں ہے۔ اس لئے شعرائے عرب کے کلام سے مثالیں پیش کرنے کے بجائے خود اسی نسخ کے باب المراثی میں سے بعض مثالیں پیش کر دینے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کا مرثیہ جس کا مطلع یہ ہے:-

خلیلی من شہر المحرم غالنی
مصائب له عینای اسبلتا دما
یہاں الف موجود ہے لیکن اس کے بعد کا شعر ہے:-
و ذلت رقاب المسلمین لاجله
وہدی قوی الاسلام قصر و ہدما
اس کے بعد آخر تک کہیں الف نہیں ہے۔

شیخ ضعیفی کا مرثیہ جو مقتل عالم سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کا مطلع ہے:-

لم ابك ربعا للاحبه قد خلا
وعفا وغیره الجدید والحلا
لیکن اسی قصیدہ میں یہ شعر ہے:-

تبکی علی تکدیر دھرما صفا
من بعدہ وقریر عیش ما حلا
نیز یہ شعر:-

ام انزلت ای بمنعی ارثہ
قد کان یخفیہا النبی اذا تلا
پھر یہ شعر:-

وفی فئۃ مثل البدو روکو املا
عرض المحاق بہا فاضحت افلا
شیخ محمود طریقی کا قصیدہ ہے جس کا مطلع یہ ہے:-
ہجرعی فتلذذی علی محرم
اذا هل فی دور الشہور محرم
اس قصیدہ میں یہ بھی ہے:-

ہم العروۃ الوثقی ہم معدن التقی
ہم الشرف السامی ونور الہدی ہم
نیز یہ شعر:-

اخی زود الولہی سکینۃ نظرة
فمہجتہا حرّی و عہدتہا دم
پھر اگر ”تسعر“ ”اصبر“ کے قوافی کے ساتھ ”مظاہر“ آجائے تو کون سا ارضی و سماوی انقلاب ہو جائے گا۔ کیا اتنے کمزور دلائل پر تاریخی نتائج کی بنیاد قائم ہو سکتی ہے اور ان شواہد کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے جو ”مظاہر“ کی صحت کو ثابت کر رہے ہیں۔
اوصاف و خصوصیات

حبیب ابن مظاہر، میثم تمار اور رشید ہجرئی کی طرح امیر المؤمنینؑ کے ان صحابہ بااختصاص میں سے تھے جنہیں امیر المؤمنینؑ سے خاص طور سے علوم باطنی اور اسرار کی تعلیم دی تھی جس کی بناء پر ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے اس کے طریقہ شہادت کو پیشین گوئی کے طور سے بیان کیا اور اطلاع دی۔^(۱)

عام طور سے یہ مشہور ہے کہ حبیب بن مظاہر امام حسینؑ کے بچپن کے رفیق تھے لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت اب تک پیش نظر نہیں ہے۔

بعض ارباب مقاتل نے جو امام حسینؑ کا خط ان کے نام نقل کیا ہے اس میں ان کے نام کے ساتھ ”الرجل الفقیہ“ کے

(۱) رجال کشی، ص ۵۲-۵۰

الفاظ ذکر کئے ہیں لیکن اس خط کی روایت کا بھی تاریخی اعتبار کوئی نہیں۔

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حبیب بن مظاہر کی شخصیت اصحاب امام حسینؑ میں خاص امتیاز رکھتی تھی جس کے شواہد خود اسی کتاب میں ابھی سامنے آئیں گے، جیسے سب سے پہلے خط میں جو امام حسینؑ کے نام شیعہ اہل کوفہ کی طرف سے لکھا تھا ان کے نام کا سلیمان بن صدوغیرہ کے ناموں کے ساتھ خصوصیت سے مذکور ہونا، امام کا انہیں میسرہ کا افسر بنانا، میدان جنگ میں مبارز طلبی کے سلسلہ میں دشمن کی طرف سے ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جانا، ان کی شہادت سے امام حسینؑ کے چہرہ پر خاص طرح کی شکستگی کا طاری ہونا، یہ باتیں یقینی انہیں ایک بلند درجہ کا مالک ثابت کرتی ہیں جو عام اشخاص کو حاصل نہیں ہوا کرتا۔

کوفہ کا پہلا خط

سب سے پہلے جب معاویہ کے انتقال کی خبر کوفہ میں پہنچی اور امام حسینؑ کو کوفہ کی طرف بلانے کا خیال بعض دماغوں میں پیدا ہوا تو سلیمان بن صدوغیرہ کے مکان پر شیعہ اہل کوفہ کا اجتماع ہوا۔ اس موقع کی پوری تفصیل میں نے قاتلان حسینؑ کا مذہب میں لکھی ہے۔

اس جلسہ کی روداد سے ظاہر ہے کہ اس موقع پر حبیب بن مظاہر موجود تھے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ اس جماعت میں نمایاں ذمہ دارانہ حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ جب یہ رائے قرار پائی کہ خط امام کے نام لکھا جائے تو حسب ذیل عبارت تحریر کی گئی۔

”بسم الله الرحمن الرحيم۔ الحسين بن علي من سليمان بن صدوق والسيب بن نجبة ورفاعة بن شداد وحبیب بن مظاهر و شيعة من البومنين ومسلمين من اهل الكوفة... الخ“

(یعنی) ”بنام حسینؑ بن علی از جانب سلیمان بن صدوق، مسیب بن نجبة، رفاعہ بن شداد و دیگر شیعہ اہل کوفہ و مسلمین از اہل کوفہ۔“

یہ خط عبداللہ بن سبیح ہمدانی اور عبداللہ بن دال کے ہاتھ بھیجا گیا اور امام کو دس (۱۰) ماہ رمضان کو مکہ معظمہ میں پہنچا۔^(۱)

یہ ظاہر ہے کہ تمام مجمع میں جو نمایاں، معزز اور ممتاز اشخاص تھے اور جنہیں امام حسینؑ کے ساتھ تعلقات خصوصی حاصل تھے انہیں کے نام صراحتہً مذکور ہوئے ہیں اور دوسرے افراد کو ”شیعة من البومنين و مسلمين“ کے تحت میں داخل کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ مذکورہ بالا اسم اشخاص میں سے سلیمان بن صدوق خزاہی ہیں جو اختیار و افضل میں سے صحابی رسول اور راوی احادیث تھے اور امیر المؤمنینؑ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہو چکے تھے۔^(۲)

مسیب بن نجبة بھی صاحب ادراک ہیں۔ قادیسیہ اور فتوح عراق میں شرکت کی۔^(۳)

ابن عساکر نے ان کی صحابیت کا بھی اظہار کیا ہے۔^(۴) رفاعہ بن شداد بجلی اصحاب امیر المؤمنینؑ و امام حسنؑ میں تھے اور ان لوگوں میں سے ہیں کہ جنہوں نے ابوذر کے دفن میں شرکت کی تھی جن کے لئے پیغمبرؐ کی بشارت موجود تھی۔^(۵)

یقیناً ان لوگوں کے ساتھ حبیب ابن مظاہر کے نام کا صراحتہً درج ہونا اسی بنا پر ہو سکتا ہے کہ یہ بھی اسی پایہ کے مالک اور اسی مرتبہ کے حامل تھے اور عام جماعت شیعہ میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

(۱) طبری، ج ۶ ص ۱۹۷ (۲) اصابہ، ج ۲ ص ۶۷

(۳) اصابہ، ج ۳ ص ۲۹۵

(۴) اصابہ، ج ۳ ص ۲۸۹ (۵) تنقیح المقال، ج ۱ ص ۳۳۲

جلسہ میں تقریر

جب حضرت مسلم کوفہ میں وارد ہوئے اور مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے مکان میں فروکش ہوئے تو سب سے پہلا اجتماع شیعوں کا جو ہوا اس میں جناب مسلم نے امام حسین کا خط پڑھ کر سنایا۔ اس موقع پر سب سے پہلی تقریر عابس بن ابی شیبہ شاکری نے کی تھی جو ان کے حالات میں تمام وکمال درج کی جائے گی۔ خلاصہ اس کا یہ تھا کہ میں دوسرے اشخاص کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا اور آپ کو کسی دھوکے میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا مگر جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں ہر طرح امداد کے لئے آمادہ ہوں۔

اس تقریر کے ختم ہونے پر حبیب ابن مظاہر کھڑے ہوئے اور تائیدی حیثیت سے عابس کو شاباشی دی اور کہا کہ کتنے مختصر الفاظ میں تم نے حقیقت حال اور اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کر دیا ہے پھر جناب مسلم سے مخاطب ہو کر کہا:-

”وانا والله الذی لا اله الا هو علی مثل ما هذا علیہ۔“

”اور میں بھی قسم اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی ارادہ پر قائم ہوں جو انہوں نے ظاہر کیا ہے۔“^(۱)

دشمن کو نصیحت

حبیب بن مظاہر برابر ایسے مواقع کے منتظر رہتے تھے جن میں وہ دشمن کے ساتھ گفت و شنید کر سکیں اور نصیحت کے فرض کو انجام دیں۔ چنانچہ جب عمر بن سعد نے قرۃ بن قیس حنظلی کو امام حسین کے پاس بصریہ مر اسلت بھیجا ہے اور قرۃ بن قیس دور سے آتا دکھائی دیا، امام نے پوچھا: ”تم لوگ اس شخص سے واقف ہو؟“ حبیب بن مظاہر نے کہا: ”جی ہاں! یہ قبیلہ حنظلہ سے تسمی شخص ہے اور اپنے ننھیالی رشتہ سے ہمارا عزیز بھی ہوتا ہے۔ میں اسے کافی سمجھدار انسان سمجھتا تھا اور ہرگز یہ توقع

نہ تھی کہ اس جنگ میں یہ آکر شریک ہوگا۔“

وہ آیا اور امام کو ابن سعد کا پیغام پہنچایا جس کا حضرت نے مناسب جواب دے دیا۔ حبیب ابن مظاہر نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر کہا: ”ارے قرۃ بن قیس! کہاں جا رہے ہو ظالم جماعت کی طرف اس بزرگ کی امداد کرو جس کے بزرگوں کی بدولت خدا نے تم کو اور ہم کو اسلام کی عزت عطا کی۔“

قرہ نے کہا: ”میں جواب پیغام کا جا کر کہہ دوں۔ اس کے بعد اس مسئلہ پر غور کروں گا۔“^(۱)

اس تقریر کا اثر قرۃ کے دل پر ہوا ضرور۔ چنانچہ اس موقع پر جب حر بن یزید ریاحی فوج دشمن سے کنارہ کشی کر کے امام کے لشکر کی طرف آنا چاہتا تھا قرہ بن قیس اس کے ساتھ تھا۔ حر نے قرہ کو پاس سے ہٹانے کے لئے کہا: ”تم نے اپنے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا؟“ قرہ نے کہا ابھی جاتا ہوں پانی پلائے لیتا ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ ہٹ گیا اور حر اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر فوج حسینی کی طرف پہنچ گئے قرۃ کو اس کا بڑا غم رہا کہ حر نے اپنا پورا ارادہ مجھ سے ظاہر نہ کیا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر حر مجھ سے اپنا پورا قصد ظاہر کر دیتے تو میں بھی ان کے ساتھ نصرت حسین کے لئے چلا جاتا۔^(۲)

اس تاسف اور اظہار رنج سے صاف ظاہر ہے کہ دل تو اس کا اس احساس سے معمور ہو چکا تھا اور ضمیر اس کا آمادہ کر رہا تھا مگر اس میں قوت ارادی اتنی نہ تھی کہ وہ حر کی طرح اس خیال کو عملی جامہ پہنا سکے وہ اس کے لئے سہارے کا محتاج تھا اور اس کی عملی کمزوری تھی جس نے سہارا نہ ہونے سے اس کے قدم سعی کو روک لیا۔

فوج مخالف سے گفتگو

نویں تاریخ کی شام کو جب اہل کوفہ نے دفعۃً امام کی طرف کارخ کیا اور حملہ کر دیا اور امام نے جناب عباسؓ کو ان

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۳۳-۲۳۴ (۲) طبری، ج ۶ ص ۳۴۲

(۱) طبری، ج ۱ ص ۱۹۹

آپ کیا کہتے ہیں۔ اس گستاخی کا حبیب بن مظاہر نے جواب دیا:

”واللہ انی لا راک تعبد اللہ علی سبعین حرفاً وانا اشہد انک صادق ما تدری ما یقول، قد طبع اللہ علی قلبک۔“

بیشک خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ تو خدا کی ستر حرفوں پر عبادت کرتا ہے (یعنی تیری عبادت، مخلصانہ حیثیت سے یک رنگ نہیں بلکہ ہفتاد رنگ ہے) اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ تو سچ کہتا ہے۔ تیری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ امامؑ کیا فرماتے ہیں کیونکہ تیرے دل پر مہر لگ چکی ہے۔^(۱)

بنی اسد سے امداد

حبیب ابن مظاہر نے شب عاشور امام حسین علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ وہ جا کر اپنے قبیلہ بنی اسد سے جو اطراف میں مقیم ہیں۔ آپ کی امداد کی خواہش کریں۔ امامؑ نے اجازت دی اور حبیب گئے۔ بنی اسد کے مجمع میں جا کر ان کو وعظ و نصیحت کی اور انھیں نصرت امام پر ترغیب دلائی جس پر سب سے پہلے عبداللہ بن بشیر اسدی نے لبیک کہی اور پھر دوسرے لوگ بھی آمادہ ہوئے اور یہ سب حبیب کے ساتھ روانہ ہوئے مگر اس کی خبر عمر سعد کو ہو گئی اور اس نے پانچ سو ۵۰۰ سوار سدراہ ہونے کے لئے بھیج دیئے جن کے مقابلہ کی اس جماعت کو تاب نہ ہوئی اور سب لوگ واپس چلے گئے۔ حبیب تنہا خدمت امام میں واپس پہنچ گئے۔^(۲)

سرداری کا منصب

روز عاشور جب امامؑ نے اپنی مختصر فوج کو ترتیب دیا تو اس موقع پر زہیر بن قینؑ کو میمنہ کا افسر اور حبیب بن مظاہرؑ کو میسرہ کا سردار مقرر کیا تھا۔^(۳)

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۴۳ (۲) البصار العین، ص ۵۸-۵۷

(۳) طبری، ج ۶ ص ۲۴۰

کے پاس مکالمہ کے لئے بھیجا۔ جناب عباسؑ بیس سواروں کے ساتھ جن میں زہیر بن قینؑ اور حبیب بن مظاہرؑ بھی تھے ان کے سامنے گئے اور دریافت کیا کہ تمہارا کیا مطلب ہے۔ جواب ملا کہ ابن زیاد کا حکم آگیا ہے کہ یا تم سے بیعت لی جائے اور یا جنگ کی جائے۔ جناب عباسؑ یہ کہہ کر کہ میں امام سے دریافت کر لوں تو آکر جواب دوں۔ امامؑ کی خدمت میں واپس آگئے، دوسرے اصحاب سب وہیں کھڑے رہے۔ اتنے وقت کو حبیب نے بیکار جانے نہیں دیا۔ زہیر بن قینؑ سے کہا کہ ان لوگوں سے کچھ گفتگو کرو، اگر چاہو اور کہو تو میں کچھ بات چیت کروں۔ زہیرؑ نے کہا کہ آپ نے اس کی تحریک کی ہے تو آپ ہی گفتگو بھی کیجئے۔ حبیبؑ نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا:-

”سوچو تو! کتنا برا انجام ہوگا خدا کے یہاں اس جماعت کا جو اس کے سامنے جائے گی اس حالت میں کہ اس نے اولاد رسولؐ کا خون بہایا ہے اور ملک کے ان عبادت گزاروں کو قتل کیا ہے جو پچھلے پہر سے اٹھنے والے اور کثرت سے ذکر الہی کرنے والے ہیں۔“

عزہ بن قیس نے جو ایک خفیف الحركات مسخرہ انسان تھا بات کو کاٹنے کے لئے پکار کر کہا کہ حبیبؑ تم اپنی طرف ہر موقع پر اشارہ کرتے رہتے ہو کہ میں بڑا عبادت گزار ہوں۔ یہ بے موقع گستاخی سن کر زہیر کو غصہ آگیا اور کہا: ”عزہ اس میں رشک کا ہے؟ بیشک حبیبؑ کا نفس ایسا ہے جس کا خدا نے تزکیہ کیا ہے اور اس کو صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا کی ہے۔“^(۱)

شمر کی گستاخی کا جواب

جب امام حسینؑ نے صبح روز عاشور اپنا تاریخی یادگار خطبہ پڑھا ہے شمر نے انتہائی بے شرمی، بے حیائی اور مکینہ فطرتی سے پکار کر آواز دی کہ میں منافق ہوں اور خدا کی عبادت ایک حرف پر کرتا ہوں (یعنی صرف زبانی) اگر کچھ میری سمجھ میں آ رہا ہو کہ

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۳۷

وصیت کرو تا کہ میں اس وصیت کو پورا کروں اور جو تمہاری قرابت اور مذہبی خصوصیت کا حق ہے اس کو ادا کروں۔ مسلمؐ نے کہا: ”اور کچھ نہیں یہی وصیت ہے کہ ان کی نصرت سے ہاتھ نہ اٹھانا“ اور اشارہ کیا امام حسینؑ کی طرف۔ حبیبؑ نے کہا: ”ضرور ایسا ہی ہوگا، خدا کی قسم۔“^(۱)

نماز ظہر کا ہنگام اور حصین کی جسارت

جب ظہر کا وقت آیا اور امامؑ نے اپنے اصحاب سمیت نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور فرمایا فوج مخالف سے نماز پڑھنے کی مہلت لی جائے تو حصین بن تمیم نے جو عمر سعد کی فوج کا ایک افسر تھا پکار کر آواز دی کہ نماز پڑھنا ہو تو پڑھ لو مگر وہ قبول نہیں ہے۔

بس یہ سننا تھا کہ حبیبؑ کو تاب نہ رہی۔ پکار کر کہا کہ ”قبول نہیں ہے؟“ فرزند رسولؐ کی نماز تیرے خیال میں قبول نہ ہوگی اور تیری نماز قبول ہوگی اے شرا بخوار“

حصین نے یہ سن کر حملہ کر دیا اور حبیبؑ بھی مقابلہ پر آگئے۔ اس کے گھوڑے کے منہ پر تلوار لگائی جس سے وہ الف ہو گیا اور حصین گر کر زمین پر آ گیا۔ دوسرے ساتھیوں نے بڑھ کر حلقہ میں لے لیا اور حبیبؑ کے ہاتھ سے چھڑا کر لے گئے۔

جنگ اور شہادت

اب حبیب میدان جنگ میں آ ہی چکے تھے۔ ایمان کا جوش اور شجاعت کی امگ، دشمن کی جرأت و جسارت کا غصہ اور اس کے زندہ نکل جانے کا دوسرا غم و غصہ وہ یہ شعر پڑھنے لگے:-

اقسم لو کنا لکم اعدادا
او شطر کم ولیتم اکتادا
یا شر قوم حسبوا وادا
(یعنی) ”میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم اگر تعداد میں تمہارے برابر ہوتے یا تمہارے آدھے بھی ہوتے تو تم

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۴۹

ظاہری نگاہ میں اس سے زہیر بن قینؑ کی فضیلت زیادہ ظاہر ہوتی ہے مگر بعض ارباب نظر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ میسرہ کا مقابلہ دشمن کے میمنہ سے ہوتا ہے اس لئے وہاں زیادہ قابل اعتبار اور طاقتور انسان کی ضرورت ہے۔

سبقت الی الجہاد پر آمادگی

جنگ چھڑنے کے بعد سب سے پہلے جو دو پہلوان دشمن کی طرف سے نکلے ہیں، وہ یسار اور سالم دو غلام تھے۔ انہوں نے مبارز طلبی کی ہے حبیب بن مظاہرؑ اور بریر خضیر ہمدانیؑ یہی دو جوان ہمت مشتاق شہادت تھے جو جست کر کے کھڑے ہو گئے تھے مگر امامؑ نے ان کو منع کر دیا تھا جس کے بعد عبداللہ بن عمیر کلبی اٹھ کھڑے ہو گئے اور جا کر ان دونوں کا مقابلہ کیا۔ فوج حسینی میں حبیبؑ اور زہیر اور بریر یہ چند ایسے مجاہد تھے جن کی دشمن کی فوج میں خاص شہرت تھی چنانچہ جب عبداللہ بن عمیر مقابلہ پر نکلے اور ان دونوں پہلوانوں نے نام و نسب پوچھا اور معلوم ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہم تم سے واقف نہیں ہیں۔ ہمارے مقابلہ پر زہیر بن قینؑ یا حبیب بن مظاہرؑ یا بریر بن خضیرؑ کو آنا چاہئے جس پر عبداللہ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے حملہ کر دیا۔^(۱)

مسلم بن عوسجہؑ سے گفتگو

مسلمؑ اور حبیبؑ دونوں ہی قبیلہ بنی اسد کے تھے ممکن ہے آپس میں اس کے علاوہ کچھ قرابت بھی ہو اور سن بھی دونوں مجاہدوں کا قریب ہی قریب تھا۔

جیسا کہ مسلم بن عوسجہؑ کے حالات میں لکھا جا چکا جب وہ مجروح ہو کر گرے اور امامؑ ان کے سرہانے تشریف لے گئے تو حبیبؑ بھی حضرت کے ساتھ ساتھ تھے حبیبؑ نے مسلمؑ کو مبارکباد دی اور اس کے بعد یہ کہا کہ اگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ میں بھی تمہارے بعد آ کر تم سے ملتا ہوں تو میں کہتا کہ

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۴۵

ہمارے سامنے سے یقینی بھاگ جاتے۔ اے بدترین خلق قوم حسب و نسب اور اخلاق کے لحاظ سے۔“
پھر انہوں نے یہ جڑ پڑھی:-

انا حبیب و ابی مظاهر
فارس ہیجاء و حرب تسعر
انتم اعدا وعدة و اکثر
و نحن اوفی منکم و اصبر
و نحن اعلی حجة و اظہر
حقاً و اتقئ منکم و اعذر

(یعنی) ”میں حبیب ہوں اور میرے باپ کا نام مظاہر تھا۔ میدان جنگ اور بھڑکتی ہوئی لڑائی کے ہنگام کا شہسوار ہوں۔ تمہاری تعداد ہم سے زیادہ اور لڑائی کا سامان تمہارے پاس فراواں ہے مگر ہم اپنی بات کے زیادہ دھنی اور مشکلات کے زیادہ برداشت کر نیوالے ہیں۔ نیر حجت ہماری بالا اور حقیقت نمایاں اور فرائض کی پابندی زیادہ اور دامن صاف ہے۔“

آخری باتیں جو ذکر ہوئی ہیں تمام وہ ہیں کہ دل میں طاقت اور نفس میں اطمینان پیدا کرتی ہیں جن کے بعد انسان خطرات کو کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ حبیب نے سخت جنگ کی یہاں تک کہ ایک تہمی پہلوان نے، جس کا نام تھا بدیل بن صریم، حبیب پر حملہ کیا حبیب نے فوراً ایک ضرب شمشیر میں اس کا کام تمام کیا لیکن اسی کے ساتھ بنی تیمم کے ایک دوسرے شخص نے ان پر نیزہ کا وار کر دیا جس سے وہ زمین پر آ رہے۔ ابھی وہ اٹھنا چاہتے تھے کہ ان کے پہلے کے شکست خوردہ حریف حصین بن تیمم نے ان کے سر پر تلوار لگائی جس سے وہ بیجان ہو کر گر گئے۔ تہمی شخص جس کے نیزہ نے حبیب کو گرایا تھا سر کاٹنے کے لئے قریب آیا۔ حصین نے کہا: ”میں ان کے قتل میں شریک ہوں۔“ تہمی نے کہا: ”نہیں، کام میں نے کیا

ہے۔“ آخر حصین نے کہا کہ مجھے اتنا کر لینے دو کہ میں ان کا سر اپنے گھوڑے کی گردن میں باندھ کر ایک دفعہ لشکر میں گردش کر لوں تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ میں نے ان کے قتل میں شرکت کی پھر تم اس سر کو لے لینا اور ابن زیاد کے پاس لے جانا وہاں سے جو انعام ملے اس میں حصہ نہیں لوں گا۔“ تہمی نے انکار کیا مگر لوگوں کے کہنے سے راضی ہو گیا اور حصین نے ایک مرتبہ سر کو اپنے ساتھ لے کر فوج کے اندر گردش کر لی۔ اس طرح گویا اس نے اس شکست کی خفت کو مٹا دیا جو اسے حبیب کے مقابلہ میں حاصل ہوئی تھی۔^(۱)

امام پیر اثر

تاریخ کی روایت ہے کہ جب حبیب بن مظاہر قتل ہوئے تو امام حسینؑ پر شکستگی کے آثار نمودار ہو گئے اور آپ کی زبان پر کلمات حسرت و یاس جاری ہوئے۔^(۲)

نوعمر فرزند کا جذبہ محبت

قرارداد کے مطابق حصین بن تیمم سے اس دوسرے شخص نے حبیب کا سر لے لیا اور کوفہ لے گیا پھر اپنے گھوڑے کی گردن میں آویزاں کر کے ابن زیاد کے قصر دارالامارہ کی طرف چلا۔ حبیب کا ایک نوعمر فرزند ”قاسم بن حبیب“ جو ابھی پورے طور پر بالغ نہ ہوا تھا اس نے جو اپنے باپ کے سر کو دیکھا تو ایک عجیب جذبہ بے قرار کے ساتھ اس سوار کے پیچھے ہولیا۔ جدھر جدھر وہ جاتا یہ بھی اس کے ساتھ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اسے احساس پیدا ہوا، اس نے کہا ”صاحبزادے! تم میرے ساتھ کیوں پھر رہے ہو۔“ قاسم نے بتلایا کہ یہ میرے باپ کا سر ہے، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم مجھے اسے دے دو کہ میں دفن کر دوں؟“ اس نے کہا ”امیر اس پر راضی نہیں ہوگا اور مجھے اس پر انعام حاصل کرنا ہے۔“ یہ سن کر وہ بچہ مایوس ہوا اور رونے لگا اور اسے چھوڑ کر چلا گیا۔

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۵۲-۲۵۱ (۲) طبری، ج ۶ ص ۲۵۲

اور پھر ایک دوسرے تمیمی شخص نے انھیں نیزہ لگایا۔ دوسرے روایت میں اس کا پتہ بھی نہیں ہے کہ وہ اس سر کو لے کر مکہ گیا جس پر صاحب 'ناسخ' نے یہ پوری عمارت کھڑی کر دی ہے۔ تیسرے روایت میں اس جزو کا بھی نشان نہیں۔ کہ فرزند حبیب نے وہ سر لے کر اسے دفن کر دیا اور قاتل کو اسی وقت مار ڈالا۔

یہ ہے صاحب 'ناسخ' کی تحقیقی و تاریخی شان جس سے دنیا اب تک بے خبر رہی ہے۔

(۶۴) حر بن یزید ریاحی

نام و نسب

حر بن یزید بن ناجیہ بن ثعلب بن عتاب بن ہرمی بن ریاح بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناة بن تمیم النخعی الی ربوعی الریاحی۔^(۱)

طبری میں ایک جگہ "الحمر بن یزید الحنظلی ثم العنہشلی" لکھا ہے۔^(۲)

حنظلی لکھنے کی وجہ مذکورہ بالا سلسلہ نسب سے ظاہر ہے کیونکہ "یربوع" کے پہلے "حنظلہ بن مالک" کا نام سلسلہ اجداد میں موجود ہے لیکن "عنہشلی" لکھنے کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ ممکن ہے اس سلسلہ میں حنظلہ کے بعد کہیں پر "نہشل" کا واسطہ ہو جو درمیان سے ساقط ہو گیا ہے۔

خاندانی خصوصیت

حر کا خاندان عرب میں قدیمی عزت کا مالک تھا۔ عتاب جو حر کی چوتھی پشت میں ہے نعمان بن منذر ملک حیرہ کے مخصوصین میں وہ درجہ رکھتا تھا کہ گھوڑے پر اس کے "ردیف" کی صورت سے سوار ہوتا تھا۔

عتاب کے دو فرزند تھے قیس اور ثعلب۔ باپ کے انتقال کے بعد یہ منصب قیس کو حاصل ہوا۔ بنی شیبان نے اس

(۱) البصار لعین، ص ۱۱۵ (۲) تاریخ طبری، ج ۶ ص ۲۲۲

اس دن کی گھڑی اور پھر کئی برس کی مدت۔ وہ بات اس بچے کے دل میں بیٹھ گئی اور جب وہ جوان ہوا تو اس فکر میں رہنے لگا کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو کسی طرح قتل کر ڈالوں یہاں تک کہ جب مصعب بن زبیر کا زمانہ ہوا اور مصعب نے "باجیرا" میں جا کر عبدالملک بن مروان سے لڑائی کے سلسلہ میں چھاؤنی اپنی قرار دی تو حبیب کا فرزند مصعب کی فوج میں ملازم ہو گیا۔ اس نے یہاں اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھا اور اس کے درپے ہوا کہ میں موقع پا کر اسے قتل کروں یہاں تک کہ ایک روز دوپہر کے وقت وہ اپنے خیمہ میں سو رہا تھا قاسم نے جا کر اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔^(۱)

صاحب ناسخ نے اس واقعہ میں جس تاریخی دیدہ ریزی سے کام لیا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

"گفتہ اند بیدیل بن صریم سر حبیب را برید و از گردن اسپ آویخت و بر نشست و بمکہ رفت و در مکہ پسر حبیب کہ بنوز کود کے مرا حق بود سر پدر را بشناخت بدیل را بکشت و سر پدر را ماخوذ داشتہ مدفون ساخت۔

و این سخن در نزد من بندہ استولد نمی افتد چہ در مکہ کسی نبود کہ بدیل بن صریم را بدین کردار عطا می کند و جائزہ دہد۔ عبد اللہ بن زبیر بن العوام کہ این ہنگام دعوی دار خلافت بود با حبیب کینی و کیدی نداشت کہ بدیل این مسافت دراز را پیماید و ہمہ جاسر حبیب علاقہ گردن اسپ او باشد اگر بطمع عطا بود البتہ بکوفہ می شافت اللہ عالم۔"^(۲)

اب ملاحظہ کیجئے اول تو قاتل حبیب کا نام بدیل بن صریم نہیں ہے بلکہ بدیل بن صریم وہ تھا جسے حبیب نے قتل کیا

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۵۲ (۲) ناسخ التواریخ، ج ۶ ص ۲۶۸

کرایا، اس کی تفصیل بھی میں نے اپنی اور کتابوں میں لکھی ہے۔^(۱)

فرزند رسولؐ کے اس ایثار، کرم، حسن اخلاق، بلند حوصلگی اور انسانی ہمدردی کا سب سے پہلا اثر تھا جو حر کے دل پر قائم ہوا۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اس سے امام کے مقابلہ میں کسی مخالف طرز عمل کا اختیار کرنا بنتا ہی نہ تھا۔ یہاں تک کہ جب نماز ظہر کے وقت امام نے حر کی فوج کے سامنے تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ آپ نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تمہارے خطوط کی بنا پر تمہارا بلا یا ہوا آیا ہوں، اگر تم اس بات پر باقی ہو تو خیر نہیں تو جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس چلا جاؤں۔“ تو اس تقریر کا بھی حر کی جانب سے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ بالکل خاموش تھا اور اسے کچھ کہنے کی ہمت ہی نہ ہوتی تھی۔

نماز جماعت

جب نماز کی اقامت ہوئی تو اس وقت امام نے حر سے فرمایا کہ تم اپنے ساتھیوں کو علیحدہ نماز پڑھاؤ گے؟ حر نے عرض کیا: ”نہیں، بلکہ آپ نماز پڑھائیے اور ہم سب آپ ہی کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دونوں طرف کے لشکروں نے امام کے پیچھے نماز ادا کی۔

اس سے نتیجہ تو نکالا نہیں جاسکتا کہ حر یا اس کے ساتھی مذہبی حیثیت سے شیعہ تھے جبکہ عام اسلامی نقطہ نظر سے امامت جماعت کے لئے امام یعنی جانشین رسولؐ ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اکثریت کے نزدیک عدالت تک بھی معتبر نہیں ہے بلکہ صرف مسلمان ہونا کافی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ غیر شیعہ مسلمان بھی حسینؑ بن علیؑ کو ایک فرد مسلم سمجھنے پر تو مجبور ہی ہیں۔ پھر آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے یہ کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ شیعہ تھے، مگر پھر بھی یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں امام حسینؑ کی نسبت کوئی خاص جذبہ عداوت و

سے منازعت کی جس کے نتیجہ میں ”یوم الطفہ“ کی خونریز جنگ واقع ہوئی۔ قیس کے سلسلہ میں انھوں نے شاعر ایک صحابی تھے جن کا نسب ہے ”زید بن عمر بن قیس بن عتاب“ طبقہ کے لحاظ سے وہ حر کے باپ یزید کے چچا زاد بھائی اور حر کے رشتہ کے چچا ہوتے ہیں۔

ذاتی عزت

حر کوفہ کے رؤسا میں سے تھا۔ اور ابن زیاد کی فوج میں افسر کی حیثیت رکھتا تھا۔ جب امام حسینؑ مکہ سے کوفہ کے قصد سے روانہ ہوئے ہیں اور ابن زیاد کی جانب سے جو کوفہ کا حاکم تھا حدود کی ناکہ بندی ہوئی ہے۔ جس کا تذکرہ میں نے اپنی متعدد کتابوں میں کیا ہے۔^(۱) الحسین بن تمیم کو کئی ہزار سواروں کے ساتھ قادیسیہ میں مقرر کیا گیا تھا۔

حر بھی اس لشکر میں تھا اور وہیں سے ایک ہزار سواروں کا سردار ہو کر امام حسینؑ کے سدراہ ہونے کے لئے آگے بڑھا تھا۔

امام سے پہلی ملاقات

امام حسینؑ اپنے منازل سفر میں شراف سے آگے بڑھے ہیں، پہلی محرم ۶۱ھ دوپہر کا وقت ہے اس وقت سامنے سے لشکر آتے ہوئے نظر آیا۔ میں نے ”مجاہدہ کر بلا“ میں اس کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ امام نے فوج کو آتے دیکھ کر ذو حشم پہاڑ کا جو آپ کے بائیں طرف تھا رخ کیا تاکہ اسے پس پشت قرار دے کر دشمنوں سے سامنے کی جانب سے مقابلہ کریں۔ آنے والی فوج نے بھی اسی طرف کا رخ کر دیا مگر حضرت اس مقام تک پہلے پہنچ گئے تھے۔ آپ کے خیمے نصب ہو چکے تھے اس وقت وہ لشکر پہنچا۔ یہ حر ہی تھا جو اپنے رسالے کے ساتھ آیا تھا۔ فوج پر پیاس کا غلبہ تھا۔

امام نے سب سے پہلے پورے لشکر کو پانی سے سیراب

(۱) قاتلان حسین کا مذہب، طبع چہارم، ص ۹۵ / مجاہدہ کر بلا، ص ۵۱ / اسوۂ

سامنے ہوگی۔“

مخالفتانہ اقدام اور ادب شناسی

حڑ کے لئے بڑا نازک مرحلہ تھا اس لئے کہ اس کا ضمیر بالکل مردہ نہ تھا۔ اسے ایک طرف فرض منصبی کا خیال اور دوسری طرف حسین بن علیؑ کی شخصیت کا احساس۔ مگر موقع سخت سے سخت ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے پہلے صرف الفاظ کی ضرورت تھی اور اب عمل۔ کیونکہ امام نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اپنی سوار یوں پر سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ سب لوگ یہاں تک کہ مخدرات بھی اپنی عمار یوں پر سوار ہو گئے۔ حضرت نے اصحاب سے فرمایا کہ چلو جس راستہ سے آئے ہیں اسی راستے پر چلو۔ اب حڑ کو کیا کرنا چاہئے۔ وہی جو اس کو حکم دیا گیا ہے، حرکی فوج سامنے آ کر سد راہ ہو گئی اور اس طرف جانے سے مزاحمت کی۔

حسامنے تھا۔ امام نے غصہ سے فرمایا:

”ثكلتك امك ماترید۔“

”ماں تیری تیرے ماتم میں بیٹھے، کیا ارادہ رکھتا ہے؟“

حڑ ایک شریف قوم و قبیلہ کا انسان تھا اور دنیاوی عزت رکھتا تھا۔ اس کے لئے اس فقرہ نے تازیانہ کا کام کیا۔ مگر پھر بھی وہ حسینؑ کے مقابلہ میں اپنے نفس کو ”چھوٹا“ پار رہا تھا۔ اس لئے اس نے ایک عجیب انداز سے اس فقرہ پر احتجاج کیا۔ وہ کہتا ہے:-

”خدا کی قسم اگر کوئی اور قوم عرب میں سے مجھے یوں کہتا اس حالت میں کہ جس حالت میں آپ ہیں تو میں بھی ضرور اس کی ماں کا اسی طرح ذکر کرتا وہ کوئی بھی ہوتا مگر بخدا آپ کی والدہ ماجدہ وہ ہیں کہ جن کا ذکر بغیر انتہائی ممکن عزت و احترام کے میں کر ہی نہیں سکتا۔“

امامؑ نے فوراً اندازہ کر لیا کہ اس کا دل میرے مقابلہ میں جھکا ہوا ہے۔ آپ نے طرز کلام میں تبدیلی فرمائی اور کہا: ”پھر تم چاہتے کیا ہو؟“ حڑ نے کہا: ”خدا کی قسم میں چاہتا ہوں

نفرت نہیں تھا بلکہ کسی نہ کسی حد تک آپ کے عظمت و بزرگی کے احساس سے متاثر تھا جب ہی وہ خود آپ کے مقابلہ میں علیحدہ نماز جماعت قائم کرنے کو ایک غیر موزوں اور بے محل بات اور ایک طرح کی بے ادبی سمجھا۔

امامؑ کی دوسری تقریر اور حڑ کا جواب

نماز کے بعد امامؑ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے اور حڑ اپنے خیمہ میں۔ پھر عصر کے بعد امام نے اپنے اصحاب کو روانگی کے لئے تیار ہونے کا حکم دیا اور عصر کی نماز پڑھائی جس کے بعد آپ نے فوج حڑ کے سامنے دوسری تقریر کی جس میں دوبارہ خطوط کا تذکرہ کیا اور اسی بات کو دوہرایا کہ اگر تم اپنے خطوط کے مضمون پر قائم نہ ہو تو میں واپس چلا جاؤں۔

حڑ اس کے پہلے امامؑ کے اخلاقی اثر سے خاموش تھا مگر اسے اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے کا خیال تھا۔ وہ ابن زیاد کا نوکر تھا اور خاص طور پر حسینؑ کو روکنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ وقت اب وہ آگیا تھا کہ حسینؑ روانگی کے لئے آمادہ ہو چکے ہیں اور اب اگر حر خاموشی کی پالیسی پر قائم رہا تو اس کا مقصد بالکل فوت ہوتا ہے۔ اس لئے اب اپنے دل کو سخت کر کے وہ بولا اور اس نے کہا:- ”ہمیں نہیں معلوم یہ خط کیسے ہیں جن کا آپ حوالہ دیتے ہیں۔“

حضرت نے وہ تمام خطوط منگوا کر سامنے پھیلا دیئے۔ حڑ نے کہا: ”ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہوں نے یہ خط بھیجے تھے۔ ہمیں یہ حکم ہوا ہے کہ جہاں آپ مل جائیں پھر ہم آپ سے جدا نہ ہوں۔ یہاں تک کہ آپ کو ابن زیاد کے سامنے لے جائیں۔“

بس حرا ب امام کے سامنے ایک مخالف کی صورت سے تھا۔ امام نے فرمایا:-

”الموت ادنی الیک من ذلک۔“

”یہ بھلا کہاں ممکن ہے۔ اس سے پہلے موت تیرے

”میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں آپ اپنی زندگی پر رحم کیجئے اگر آپ نے بڑھ کر جنگ کی تو یقیناً قتل کئے جائیں گے اور اگر دشمن نے بڑھ کر آپ پر حملہ کیا تب بھی میری رائے میں آپ ہلاک ہوں گے۔“

الفاظ میں یقیناً ہمدردی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے اس کا دل حسینؑ پر کڑھ رہا ہے۔ مگر اس کا نفس اس بلندی پر نہیں ہے کہ وہ حسینؑ کے اس اقدام کے آخری نتائج تک پہنچ سکے۔ اس کو حسینؑ کی نفس کی پوری عظمت کا اندازہ بھی نہیں ہے جو دنیا کی زندگی کو اپنے سامنے ہیچ قرار دیتی ہے۔ پھر وہ ایک فوج مخالف کی فرد ہونے کے ساتھ یہ کہہ رہا ہے جس میں ایک تہدید کا پہلو بھی مضمر معلوم ہوتا ہے جس کو حسینؑ کی بلند ہمتی برداشت نہیں کر سکتی۔ حسینؑ نے اس کو اپنے مقصد کی گہرائیوں پر ایک عمیق ابہام کے پردہ میں مطلع کر دیا یہ فرما کر کہ:-

”افبالموت تخوفنی وهل يعد وبکم الخطب ان تقتلونی۔“

”کیا تو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ اور کیا تم اس سے زیادہ کچھ کر سکتے ہو کہ مجھے قتل کر دو۔“

یہ بظاہر عجیب چیز ہے۔ انسانی نگاہ میں آخری زیادہ سے زیادہ انجام قتل ہی ہے۔ لیکن حسینؑ اس کو ایک درمیانی منزل قرار دے کر کسی اس کے بعد کے درجہ کو فتح و شکست کا معیار قرار دے رہے ہیں۔

حزب سمجھا یا نہیں سمجھا مگر وہ اتنا سمجھ لیا کہ میری نصیحت کا کچھ اچھا اثر نہیں ہوا۔ اس لئے اس نے اب حسینؑ کے ساتھ ساتھ چلنا بھی مناسب نہیں سمجھا اور وہ حضرت سے تھوڑے فاصلہ پر علیحدہ ہو گیا اور دور، دور روانہ ہوا مگر آپ سے جدا نہیں ہوا۔

ایک اور واقعہ

جب امامؑ ”عذیب الجانات“ میں پہنچے تو چار آدمی اہل

کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جاؤں۔“ حضرت نے فرمایا۔ ”میں تمہارا کہنا ہرگز نہیں مانوں گا۔“ اس نے کہا: ”میں آپ کو چھوڑوں گا ہرگز نہیں۔“ تین مرتبہ رد و بدل ہوئی۔ آخر میں پھر حر کے نفس نے شکست کھائی اور اس نے کہا: ”میں آپ سے جنگ کرنے پر مامور نہیں ہوں۔ مجھے تو یہ حکم تھا کہ آپ کے ساتھ ساتھ رہوں یہاں تک کہ آپ کو فہ پہنچیں۔ جب آپ کو فہ جانے سے انکار کرتے ہیں تو ایک ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کو فہ کی طرف جاتا ہو اور نہ مدینہ کی طرف واپسی کا راستہ ہو۔ اس کے بعد میں ابن زیاد کو لکھوں۔ اور آپ بھی چاہیں تو یزید یا ابن زیاد کو خط لکھیں۔ شاید خدا اس طرح سے ایسی صورت پیدا کر دے کہ مجھے آپ سے کوئی عملی مخالفت نہ کرنا پڑے۔“

دیکھا آپ نے حر کی نیت کا پردہ چاک ہو گیا۔ معلوم ہو رہا ہے کہ اس کا دل ڈانوا ڈول ہے۔ اسے یہ فکر ہے کہ میں اس بلند ہستی سے عملی مخالفت کس طرح کروں گا۔ وہ پہلو ڈھونڈ رہا ہے کہ کسی طرح اسے آپ کے ساتھ تصادم نہ کرنا پڑے اور عملی مخالفت کی نوبت نہ آئے۔

اسے اس کی بھی آرزو ہے کہ کسی طرح معاملات رو با صلاح ہو جائیں اور اس لئے وہ یہ مشورہ بھی دینا چاہتا ہے کہ آپ یزید یا ابن زیاد کو خط لکھئے۔ مگر ابھی اس کے نفس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنی ملازمت کے خیال کو بالکل دل سے نکال دے اور دنیاوی زندگی کو اپنی بخیال خود فنا کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

راستہ کی گفتگو

جب امامؑ اس راستہ پر روانہ ہوئے جو آخر میں حر نے معین کیا تھا تو راستہ میں حر کہنے لگا:

”اِنِّی اِذْ کَرْتُ اللّٰهَ فِیْ نَفْسِکَ فَاِنِّیْ اَشْهَدُ لَئِنْ قَاتَلْتَ لِتَقْلَنْ وَلَئِنْ قَوَّلتَ لِتَهْلُکَنْ فِیْمَا اَرٰی۔“

کوفہ میں سے غیر معروف راستہ سے امامؑ کی نصرت کے لئے آئے: عمر بن خالد صیداوی، ان کا غلام سعد اور تین اور آدمی تھے۔^(۱)

حرامؑ کی نقل و حرکت کا نگران تھا، اس نے مداخلت کی اور کہا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ نہیں آئے ہیں، اس لئے یا تو میں انہیں گرفتار کر کے قید کر لوں گا یا کوفہ واپس کروں گا۔ حضرت نے فرمایا: اب جب کہ یہ میرے پاس پہنچ گئے اور میری امان میں آگئے تو میں انہیں تمہارے سپرد نہیں کر سکتا اور تم نے اقرار کیا تھا کہ جب تک ابن زیاد کا خط تمہارے پاس نہ آجائے گا مجھ سے کچھ تعرض نہ کرو گے۔ اب اگر تم اس بات پر قائم نہیں رہو گے تو میں تم سے مقابلہ کروں گا۔ حرامؑ نے بھی پھر خاموشی اختیار کی اور بات رفت و گذشت ہو گئی۔

ابن زیاد کا خط

حرامؑ کا رویہ امام کے ساتھ مشکوک تھا، جیسا کہ میں نے ”مجاہدہ کر بلا“ میں خیال ظاہر کیا ہے، ممکن ہے اس کے رسالہ کے کسی شخص نے ابن زیاد کو اطلاع دی ہو کہ حرامؑ کے ساتھ سختی کا برتاؤ نہیں کر رہا ہے اس کا نتیجہ تھا کہ ابن زیاد نے تنبیہ کی ضرورت محسوس کی اور حرامؑ کے نام یہ خط بھیجا کہ:

”تم کو لازم ہے کہ جہاں پر یہ خط پہنچے اور میرا قاصد آئے فوراً حسینؑ کو آگے بڑھنے سے روک دو اور انہیں ایسی جگہ قیام کرنے پر مجبور کرو جہاں آب و گیاہ موجود نہ ہو اور نہ کوئی قلعہ وجائے پناہ ہو۔ میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ساتھ رہے اور اس وقت تک علیحدہ نہ ہو جب تک کہ میرے حکم کی تعمیل نہ ہو جائے۔“

آخری الفاظ صاف بے اطمینانی کا پتہ دے رہے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ حرامؑ کے متعلق یہ اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اس معاملہ میں رورعایت کرے گا یا سہل انگاری سے کام لے گا۔

(۱) ملاحظہ ہو شہدائے کربلا حصہ اول ص ۴۲-۴۹۔

اب حرامؑ بھی مجبور تھا۔ حقیقتہً مجبور نہیں بلکہ اس دنیا کی بندگی کی بنا پر جس سے واقعی حریت اسے ابھی نہیں حاصل ہوئی تھی۔ اس لئے اس خط کے آنے کے بعد اس نے امامؑ اور امام کے اصحاب کے سامنے یہ اعلان کر دیا کہ:

”یہ امیر ابن زیاد کا خط ہے اور اس میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم سب کو اسی جگہ اترنے پر مجبور کروں جہاں مجھے یہ خط پہنچے اور امیر کا قاصد موجود ہے اور اسے حکم ہے کہ یہ مجھ سے علیحدہ نہ ہو جب تک اس حکم کی تعمیل نہ ہو جائے۔“

ان الفاظ میں بھی کمزوری صاف نمایاں ہے۔ وہ حسینؑ کے سامنے اپنی بے بسی اور مجبوری کو پیش کئے دے رہا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ میں اپنی طرف سے سختی نہیں کرنا چاہتا۔ مگر اب میں خود زیر حراست و نگرانی ہوں۔

وہ ان الفاظ میں گویا درخواست کر رہا ہے کہ آپ مجھے اس کا موقع نہ دیجئے کہ میں اپنے ضمیر کے خلاف اس حکم کی تعمیل پر آمادہ ہوں اور عملی حیثیت سے کوئی مزاحمت کروں۔ اس کی اس صفائی کی حسینؑ نے قدر کی اور وہی حسینؑ جو اس کے پہلے اسی حرامؑ کی مزاحمت پر بگڑ گئے تھے اور کہا تھا:

”الموت ادنی الیک من ذلک۔“

”تجھے اس کے پہلے کہ مجھے روک لے موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

صرف اس کے اتنے کہنے پر وہیں اتر پڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ بیشک کچھ قریبی آبادیوں کا نام لیا کہ وہاں ہم کو پہنچ لینے دیا جائے مگر حرامؑ نے انہی الفاظ میں اپنی مجبوری کا اظہار کیا کہ مجھے حکم یہ ہے کہ آپ کو ایسی جگہ اتاروں جہاں آب و گیاہ نہ ہو اور یہ شخص میرے اوپر نگران مقرر کیا گیا ہے کہ یہ جا کر میرے طرز عمل کی اطلاع دے۔“

گویا وہ اپنی نسبت خطرہ کا اظہار کر رہا ہے اور یہ کہ ابن زیاد مجھ سے بدگمان ہو چکا ہے اور میری جانب سے اب ذرا

پھر تو امام کی خدمت میں جا بھی نہیں سکتا۔ اس گفتگو کی آواز امام نے سن لی فرمایا کہ حر کو آنے دو۔ جناب عباس حکم امام سے مجبور ہوئے، حر کو حاضری کی اجازت دی مگر حر کی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اس شان سے امام کی خدمت میں لائے۔“
اس کی اصلیت بالکل اس سے مختلف ہے۔ میں نے اس واقعہ کو ”معرکہ کربلا“ (صفحہ ۱۶) میں لکھا ہے۔

آنے والا کثیر بن عبد اللہ شعبی تھا، طلایہ پھرنے والے ابو ثمامہ صاندی تھے۔ انہوں نے کہا ہتھیار کھول کر رکھ دو۔ اس نے انکار کیا۔ انہوں نے کہا اچھا میں تیری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے رہوں گا اور اس طرح تجھ کو لے جاؤں گا۔ اس نے اسے بھی گوارا نہ کیا۔ آخر ابو ثمامہ نے اسے خدمت امام میں نہ جانے دیا اور وہ واپس گیا۔ یہ پورا واقعہ وہ ہے جو اس شکل میں مشہور ہو گیا ہے۔ اس طرح کی روایتیں بہت مشہور ہیں جن کی اصلیت کچھ اور ہے اور ہم نے ان میں سے بعض کے متعلق حقیقت کا انکشاف اپنی مختلف کتابوں میں کیا ہے۔

عاشور کی صبح

عمر سعد نے صبح عاشور جب لشکر کو ترتیب دیا اور میمنہ و میسرہ مختلف افسروں کے سپرد کیا تو پھر قبائل کے اعتبار سے ایک تقسیم کی، اس میں حر کو بھی افسری کا عہدہ دوبارہ ملا۔

عبد اللہ بن زہیر بن سلیم از دی، جماعت اہل مدینہ پر۔ عبد الرحمن بن ابی سبرہ حنفی، مدحج واسد پر۔ قیس بن اشعث بن قیس ربیعہ و کندہ پر اور حر بن یزید ریاحی، تمیم و ہمدان پر افسر مقرر کئے گئے۔^(۱)

دوسری تاریخ محرم سے دسویں تک، اس آٹھ دن میں حر کی حالت کیا تھی؟ اسے تاریخ کے اندھیرے پردہ میں رہنے دیجئے۔ اور یہ راز منکشف ہوتا تو کیوں کر؟ جبکہ اس کا کوئی بتلانے والا رہا نہیں۔

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۳۱

بھی مراعات میرے واسطے مناسب نہیں ہے۔ حسینؑ اس کے انداز گفتگو اور طرز عمل کی ان تمام گہرائیوں کو سمجھ رہے تھے۔ وہ ابھی اس سے اس کی توقع نہیں کرنا چاہتے تھے کہ وہ دنیاوی زندگی کے خیال کو بالکل دل سے نکال دے اور اپنی جان کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ کیونکہ اس کا نفس ابھی خام تھا اور اس کے پختہ ہونے میں تھوڑا وقفہ تھا۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ باوجود اصحاب میں جوش پیدا ہونے اور جنگ پر آمادہ ہو جانے کے امام نے ان سب کو روک دیا اور یہ فرمایا کہ ”میں جنگ میں ابتداء نہیں کرنا چاہتا۔“ اس کے معنی صاف ظاہر ہیں کہ جب اس نے عملی تصادم نہیں کیا ہے بلکہ سچائی کے ساتھ اپنا معاملہ میرے سامنے رکھ دیا ہے اور صرف زبانی اپنے مقصد کو میرے سامنے پیش کیا ہے تو مجھے عملی طور پر ایسی صورت نہیں لانا چاہئے کہ اس سے اور مجھ سے جنگ درپیش ہو۔

چنانچہ آپ نے آگے بڑھنے کا خیال ترک کیا اور اسی صحرائیں آپ اتر پڑے جہاں کے لئے حرنے کہا تھا۔

کربلا پہنچنے کے بعد

حسینؑ کے کربلا میں ٹھہرنے کے بعد حر نے ابن زیاد کو اطلاع دی۔

وہاں سے عمر بن سعد اس مہم کا ذمہ دار بنا کر بحیثیت افسر اعلیٰ کے بھیج دیا گیا۔ حر کی ذمہ داری ختم ہوئی اس کے بعد سے عاشور کے دن تک پھر حر کا کوئی ذکر تاریخ میں نہیں ملتا۔

ذاکرین جو یہ روایت پڑھتے ہیں کہ شبہائے عاشور میں سے کسی شب حر خدمت امام میں حاضری کے لئے آیا۔ جناب عباس طلایہ پھر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر امام کے پاس جانا ہے تو اسلحہ یہیں رکھ دو، حر نے انکار کیا اور کہا کہ سپاہی اپنے ہتھیار کسی کے سپرد نہیں کرتا۔ جناب عباس نے فرمایا کہ

لیکن بعد کی صورت حال اور حرکی گفتگوؤں نے صاف بتلادیا ہے کہ حرجس وقت سے امام حسینؑ کو کربلا میں پہنچا کر ابن زیاد کو اطلاع دے چکا اس وقت سے برابر خاموشی کے عالم میں انتہائی عمیق نگاہ سے مگر نیچینی کے ساتھ حالات کا مشاہدہ کرتا رہا۔

اس نے راستہ ہی میں اس طرح کی سلسلہ جنابی کی تھی کہ کسی طرح امام حسینؑ اور یزید یا ابن زیاد کے درمیان کچھ خط و کتابت ہو اور معاملات رو باصلاح ہو جائیں۔ اسے کربلا میں پہنچنے کے بعد بھی یہ توقع تھی کہ درمیان میں کوئی ایسا مشترک نقطہ پیدا ہو جائیگا جہاں امام اور ان کے مخالف مجتمع ہو جائیں اور جنگ کی صورت پیش نہ آئے۔ اسے کوفہ سے متواتر فوجیں آنے سے انتشار ضرور پیدا ہوا ہوگا مگر عمر سعد کا طرز عمل اس کے لئے امید افزا تھا جو خود صلح کی گفتگوئیں کر رہا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جنگ نہ ہو۔

ایسا بھی وقت آیا جب سلسلہ گفتگو ایک ایسے نقطہ پر پہنچا جہاں عمر سعد تک نے یہ طے کر لیا کہ اب معاملہ یکسو ہو گیا۔ اور مقابلہ کی ضرورت نہیں باقی رہی۔ پھر ایسی صورت میں حرکویہ سمجھنے کی کیا وجہ تھی کہ جنگ ضرور ہوگی۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ امام کا طرز عمل روادارانہ ہے۔ آپ اپنی جانب سے معقول شرائط پیش کر رہے ہیں جن پر صلح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

یہ توقعات تھے جو اس کے دل میں نویں محرم کی سہ پہر تک قائم تھے اور اس پر کیا، کسی شخص کو اس وقت تک اس امر سے مایوسی کے اسباب نہ پیدا ہوئے تھے کہ صلح نہ ہوگی مگر ۹ محرم کی شام کو یہ سب امیدیں منقطع ہو گئیں ابن زیاد کے اس خط سے جو شمر بن ذی الجوشن کے ہاتھ عمر سعد کے پاس پہنچا جس کے بعد عمر سعد مجبور ہوا کہ وہ اسی وقت امام کے لشکر پر حملہ آور ہو جائے اور بہت مشکل سے صرف ایک شب کی مہلت

عبادت خدا کے لئے منظور کرے۔

یقیناً یہ وہ وقت تھا کہ اب حقیقتاً حر کے سامنے امام حسینؑ سے جنگ اور ان کے قتل میں شرکت کا سوال پیش تھا اور اب وہ سمجھا کہ میں نے اس کے پہلے جتنے بھی اقدامات کئے وہ ایک مظلوم مقدس ہستی کو فنا کی منزل سے قریب کرنے کے سامان تھے۔ اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور اس کے بعد پھر اب کیا مجھ کو اس سے بڑے اقدامات میں شرکت کرنا چاہئے۔ کیا میں حسینؑ کے خون میں اپنے ہاتھوں کو رنگین کر سکتا ہوں؟

اس کا ضمیر سختی سے انکار کرتا تھا کہ ہرگز نہیں، مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ اسے اب سب کچھ یاد آتا تھا کہ حسینؑ وہ انسان تھے جس نے اس سخت موقع پر مجھے اور میری تمام فوج کو پانی سے سیراب کیا۔ اب ان پر پانی بند ہے اور میری بدولت جس نے کہ انہیں اس بے آب و گیاہ جنگل میں اترنے پر مجبور کیا۔ اسے یہ احساس کر کے خود اپنی ہستی سے انتقام لینے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ اس کا تذکر کیا ہے۔ میں حسینؑ کے پاس جا کر اپنی اس خطا کو معاف کراؤں۔ مگر کیا اتنا بڑا جرم دنیا میں معافی کے قابل بھی ہے؟! پھر اگر حسینؑ نے میری خطا کو معاف نہ کیا تو میں کہاں کا رہا۔ نہ دنیا ملی، نہ آخرت۔ پھر بھی اس کا ضمیر کہتا تھا کہ چل کر معافی مانگنا تو چاہئے۔ انہوں نے نہ بھی معاف کیا، پھر بھی اپنی امکانی کوشش تو اس دھبے کے اپنے دامن سے مٹانے کی کرلوں گا۔ میں جب اپنی جان ان کے قدموں پر ڈال دوں گا تو پھر وہ بھی کریم النفس ہیں کہاں تک خیال نہ کریں گے۔

یہ خیالات تھے جو اس کے دماغ میں ایک تلاطم برپا کئے ہوئے ہوں گے۔ اور وہ شب عاشور ہی تھی جس کی سیاہی کے بے پایاں سمندر میں اس کے خیالات کی کشتی تھپڑے کھا رہی تھی اور کسی مرکز پر ٹھہرتی نہ تھی۔

ہو مارتا ہوا جنگل اور رات کا سناٹا، صفحہ تاریخ بھی

سنان ہے، کون مورخ ہے جو اس معرکہ کی داستان قلمبند کرے جو حر کے دل و دماغ میں برپا رہا۔

ہاں البتہ ”الشعراء تلامیذ الرحمن“ سچا شاعر حقیقت کا ترجمان ہوتا ہے۔ میرانیس علیہ الرحمہ اور ان کے خاندان کے دوسرے باکمال مرثیہ گوئیوں نے جس طرح اس رات حر کی حالت کی تصویر کشی کی ہے وہ یقیناً ایک صحیح واقعہ ہے جس کی روایت خاموش فطرت کے واسطے سے شاعر کے دل تک پہنچی ہے اور واقعات کے قرائن اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ رات کسی طرح گزری اور صبح ہوئی، حر کو پھر بھی یہ دیکھنا ہے کہ اب کیا ہوتا ہے؟ کیا واقعی جنگ ہی ہوگی یا کوئی اور صورت رونما ہوگی۔ اس نے انتہائی ضبط و صبر کے ساتھ دیکھا کہ فوج کی ترتیب ہوئی۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ایک حصہ فوج کا افسر قرار دیا گیا ہے۔ اس نے امام کا بے نظیر اور مؤثر خطبہ سنا جس نے اس کے دل کے تاثرات میں اور اضافہ کر دیا۔ مگر پھر اس نے انتظار کیا کہ اس کا اثر مخالف فوج پر کیا پڑتا ہے۔ اس نے دیکھا کہ زہیر بن قین نے بڑھ کر تقریر شروع کی اور ناصحانہ انداز میں اہل کوفہ کو مخاطب کیا، ان تمام باتوں کے بعد بھی اسے احساس ہوا کہ فوج ابن زیاد جنگ پر آمادہ ہے اور اس کے ارادوں میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔ بس اب حر کے ضبط و صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ اور وہ خیال جو اس کے دل میں پرورش پا رہا تھا اب رازداری کے حدود سے آگے بڑھ گیا۔

عمر سعد سے گفتگو

حر آیا عمر سعد کے پاس، کہا^(۱):-

”أما قاتل انت هذا الرجل۔“

”کیا تم ان سے واقعی جنگ کرو گے؟“

یہ سوال اپنے اندر ان سب قلبی کیفیتوں کو مضمر رکھتا ہے

(۱) تاریخ طبری، ج ۶ ص ۲۴۲

جن کی تشریح کے لئے میں کئی صفحے سیاہ کر چکا ہوں۔ اسے یہ یقین آنے کے قابل بات ہی نہیں معلوم ہوتی کہ فرزند رسول سے جنگ عملی شکل بھی اختیار کرے گی۔ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ آثار و قرائن کو جنگ کے قطعی پارہا ہے۔ مگر پھر بھی اس کی آرزو رکھتا ہے کہ یہ سب نمائشی ہو اور اس میں حقیقت بالکل نہ ہو۔

عمر سعد اس کے ضمیر کے اندرونی کیفیات سے بالکل بیگانہ تھا اس نے افسرانہ انداز میں بڑے اطمینان کے ساتھ کہا:-

”ای واللہ قتالا ایسرہ ان تسقط الرؤس و تطیح الایدی۔“

”ہاں ہاں! بخدا ایسی جنگ جس کا انتہائی کم نتیجہ یہ ہے کہ سروں کی بارش ہو اور ہاتھ کٹ کٹ کر زمین پر گررتے ہوں۔“

”افما لکم فی واحدة من الخصال الّتی عرض علیکم رضا۔“

”کیا اتنے مطالبے جو حسینؑ نے پیش کئے ان میں سے کوئی تم لوگوں کے نزدیک منظوری کے قابل نہیں ہے؟“

دیکھا آپ نے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ صلح کی گفتگو کو پورے غور سے نتیجہ کی جستجو کے ساتھ دیکھ رہا تھا اور اسے یقین تھا کہ حسینؑ کے مطالبات ضرور مان لئے جائیں گے۔

عمر سعد نے کہا:-

”واللہ لو کان الامرا الی لفعلت لکن امیرک قد ابی ذلک۔“

”خدا کی قسم اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا لیکن کیا کروں کہ تمہارا حاکم (ابن زیاد) نہیں مانتا۔“

عمر سعد کے جواب میں خود کمزوری تھی، اس کا مضمون حرؑ

کی رائے اور خیال کو اور تقویت دینے والا تھا۔ وہ تسلیم کر رہا تھا کہ حسینؑ کا مسلک صلح پرورانہ ہے مگر ابن زیاد کی ضد حسینؑ کے قتل ہی کی طالب ہے۔

اس کے بعد حرؑ نے کچھ گفتگو کرنا بیکار سمجھا۔ اور اب یہ وقت آ گیا تھا کہ وہ اس اپنے فیصلہ کو جو بہت مشکل سے اس کے دل و دماغ کی جنگ سے طے پایا تھا عملی لباس پہنائے۔

فوج مخالف سے علحدگی

حرؑ کو یہ اندیشہ ضرور تھا کہ اگر فوج سے نکلنے کے پہلے یہ اطلاع ہو جائے کہ میری نیت میں کچھ تبدیلی ہو رہی ہے تو مجھے یہیں گرفتار کر لیا جائے گا اور میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گا۔ اس لئے وہ اس وقت بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ اس کے قبیلہ کا ایک شخص قرہ بن قیس اس کے ساتھ تھا۔ حرؑ اس کا رہنا ناگوار ہو رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ کسی طرح میرے پاس سے ٹل جائے مگر کچھ بتانا تھا۔ آخر اس نے کہا ”قرہ! آج تم نے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا؟“ اس نے کہا: ”نہیں، ابھی نہیں۔“ کہا: ”پھر پلاؤ گے نہیں؟“

انسان کا چہرہ، اس کی بات چیت، اس کے چہرہ کارنگ، سب ہی اس کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں۔ حرؑ لاکھ چھپائے مگر دل کا اضطراب چھپنے کی چیز نہیں۔ قرہ کچھ نہ سمجھا۔ اتنا تو سمجھ لیا کہ یہ مجھے اپنے پاس سے ٹالنا چاہتے ہیں اور چونکہ وہ سنجیدہ شخص تھا۔ (ملاحظہ ہو ”معرکہ کربلا“ ص ۱۷) اس لئے وہ ہٹ گیا۔ حرؑ نے اپنے خیال میں بڑی فتح حاصل کی۔ اس نے آہستہ آہستہ گھوڑا اپنا فوج امام کی طرف بڑھانا شروع کیا۔ اس کا دل دھڑک رہا ہوگا، اس کے سینہ میں طوفان برپا ہوگا وہ سمجھتا تھا اب میں کہیں اور ہوں مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔ میں دنیا سے علحدہ ہوں۔

اس وقت کسی کا ٹوک دینا! مہاجر بن اوس، اسی کے قبیلے کا شخص، اس نے کہا:

”کیوں حرؑ! کیا ارادہ ہے؟ کیا حملہ کرنا چاہتے ہو؟“ وہ چونک پڑا۔ ”حملہ کرنا چاہتے ہو؟“ حرؑ اس کا کیا جواب دیتا؟ اس نے پھر بھی پردہ داری کی کوشش کی۔ کچھ جواب نہیں دیا۔ مگر جسم میں لرزہ سا پیدا ہو گیا۔

راز فاش تھا، مہاجر نے کہا: ”حرؑ! تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ میں نے تو تمہاری یہ حالت کبھی نہیں دیکھی۔ مجھ سے پوچھا جاتا کہ کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو تمہارے سوا کسی کا نام نہ لیتا۔ مگر اس وقت میں تمہاری عجیب حالت دیکھ رہا ہوں۔ یہ آخر ہے کیا؟“

یہ شجاعت پر حملہ تھا۔ حرؑ اس غلط فہمی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے چھپانے کی مہم میں اپنی شکست کا احساس بھی کر لیا اس لئے اب صاف کر دینا چاہا کہا:

”میرے سامنے اس وقت جنت و دوزخ کا سوال ہے۔“ وہ کہہ رہا تھا اور الفاظ کی رفتار کے ساتھ دل کی بیچنی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

”میں تو جنت پر کسی چیز کو مقدم نہ سمجھوں گا چاہے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جائیں اور آگ میں جلا دیا جائے۔“

اب دیر کا موقع نہ تھا۔ یہ کہتے ہی اس نے گھوڑے کو چابک لگایا اور لشکر امام حسینؑ کی طرف پہنچ گیا۔^(۱)

عفو گناہ

حرؑ کو اندیشہ تھا کہ اس کے بے تحاشا گھوڑا اڑائے ہوئے آنے سے انصار امامؑ میں دہشت نہ پیدا ہو۔ اور کہیں اس کی مزاحمت نہ کی جائے، اس لئے اس نے لشکر امام کے قریب پہنچتے ہی اپنی سپر پلٹ کر ہاتھ میں لے لی۔^(۲)

یہ عرب کے دستور کے مطابق تھا۔ جب کوئی حملہ آور ہو تو اس کے ہاتھ میں تلوار کھینچی ہوئی ہوگی، سپر حفاظت کے لئے

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۴۴ (۲) انصار العین، ص ۱۱۹

اپنی صفائی میں اسباب بھی وہ پیش کئے تھے جو حقیقت کے مطابق تھے اور جن پر شروع سے اس کا طرز عمل صاف طور پر منطبق تھا، وہ معلوم ہوتا تھا کہ واقعی بچپن ہے اور اپنے جرم کے احساس سے مضطرب ہے۔

یہ موقع اس کا نہیں ہے کہ امام کسی طول طویل تقریر کے ساتھ اس کی بات کا جواب دیں۔ آپ کو اسے مطمئن کرنا چاہئے فوری طور پر۔ آپ نے بلا توقف فرمایا:-
”ہاں ہاں۔ خدا تمہاری توبہ قبول کرے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ ذرا اپنا نام تو بتاؤ۔“

یہ بشارت دینے کی تمہید ہے۔ اسم سے مسیٰ کی مطابقت دکھانا ہے۔

اس نے کہا: ”حز بن یزید“ فرمایا: ”انت الحر کما سمعتک امک انت الحر ان شاء اللہ فی الدنیا والآخرة۔“ تم حر ہو (آزاد) اسی طرح جیسے تمہاری ماں نے نام رکھا ہے۔ تم آزاد ہو انشاء اللہ۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔“

”گھوڑے سے تو اترو۔“ حزن نے کہا: ”میں آپ کی نصرت میں گھوڑے پر سوار ہوں، بہتر ہے اس سے کہ نیچے اتروں بس ایک تھوڑی دیر ان سے جنگ کر لوں پھر تو (مر کر) گھوڑے سے نیچے اترنا ہی ہے۔“

امام نے دیکھا کہ حر گولولہ جہاد کا ہے۔ فرمایا:

”فأصنع یرحمک اللہ ما بادلک“

”اچھا تمہاری خوشی جو ہو وہ کرو۔ خدا اپنی رحمت تمہارے شامل حال کرے۔“^(۱)

حر کی پر جوش تقریر

وہ ضبط بہت کر چکا تھا، اب وقت تھا کہ اس کے خیالات کا کوہ آتش فشاں شگافتہ ہو، اس کی چنگاریاں اڑیں اور شعلے

سامنے ہوگی۔ لیکن اگر وہ تلوار کو نیام میں رکھ لے، سپر کو الٹا کر لے تو تو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ امان کا طالب ہے یا کچھ پیام لا رہا ہے۔ حزن نے اپنی سپر اس طرح ہاتھ میں لے کر گویا پہلے سے بتلادیا کہ میں طالب امان ہو کر آ رہا ہوں جنگ کا ارادہ نہیں رکھتا ہوں۔^(۱)

حر کے اس اچانک آنے سے سب لوگ متعجب ضرور ہوں گے اور چشم براہ ہوں گے کہ یہ آ کر کیا کہتا ہے۔ وہ سیدھا امام کے سامنے آیا۔ کہنے لگا:-

”میری جان آپ پر فدا۔ اے رسول کے فرزند میں وہی گنہگار ہوں جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا، راستہ میں آپ کے ساتھ ساتھ رہا اور آپ کو اس جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا۔“ یہ وہ فرد قرار داد جرم ہے جو اس کے ضمیر نے خود اپنے خلاف مرتب کر لی تھی۔ ”قسم اس خدائے برحق کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں کہ مجھے یہ گمان ہرگز نہیں تھا کہ یہ لوگ آپ کے تمام شرائط کو جو آپ پیش کریں گے مسترد کر دیں گے اور نوبت یہاں تک پہنچے گی۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا تھا کہ کیا حرج ہے میں کسی حد تک ان لوگوں کا ساتھ دوں اور معلوم نہ ہو کہ میں ان کی اطاعت سے باہر ہوں۔ پھر یہ لوگ ان شرائط کو تو قبول کر ہی لیں گے جو امام حسینؑ ان کے سامنے پیش کریں گے۔ بخدا اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ یہ لوگ ان شرائط کو آپ کی منظور نہیں کریں گے تو میں کبھی آپ کے ساتھ یہ طرز عمل اختیار نہ کرتا۔ اچھا اب میں حاضر ہوا ہوں انتہائی شرمسار، توبہ کرتا ہوا اپنے گناہ سے خدا کی بارگاہ میں اور آپ کا شریک مصیبت ہو کر اپنی جان کے ساتھ یہاں تک کہ آپ کے قدموں پر مرجاؤں۔

کیا اس طرح میری توبہ قبول ہو جائے گی؟“

حزن نے اپنے جرائم خود ہی پیش کر دیئے تھے۔ اس نے

بلند ہوں۔

ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے جس کے نتیجہ میں وہ کچھ زخمی بھی ہوئے۔ ان کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں قطع ہو گئیں۔ اس وقت حر کو خیال ہوا کہ میں تاخیر کر رہا ہوں۔ کسی ناصر امام کو مجھ سے پہلے قتل نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ پہلے مجھ ہی کو جاں نثار کرنا چاہئے۔ یہ سوچ کر وہ خدمت امام میں حاضر ہوا اور عرض کیا:۔
”فرزند رسول! میں سب سے پہلے آپ سے لڑنے کو آیا تھا لہذا اب مجھے اجازت دیجئے کہ سب سے پہلے میں ہی آپ کے سامنے قتل ہوں اور آپ کے جد بزرگوار سے جا کر دست بوسی کروں۔“

ان الفاظ کے متعلق جو ایک بحث پڑ گئی ہے وہ میں نے ’محاربہ کربلا‘ (صفحہ ۱۲-۱۱) میں لکھی ہے۔
میں نے کہا کہ حر کے الفاظ بالکل حقیقت پر محمول ہیں۔ حر کی اس اجازت جہاد کے پہلے ہرگز کوئی شخص شہید نہیں ہوا تھا۔ حر نے اجازت اسی خیال سے مانگی کہ وہ جا کر لڑیں گے اور شہید ہوں گے تو اس صورت سے اول شہید قرار پائیں گے۔ امام نے اجازت دی اور حر میدان جنگ میں آئے۔

دھج

حر کی زبان پر یہ اشعار جز میں جاری ہوئے۔
اِنِّی اَنَا الْحَرَّوَمَا وَی الضَّیْفِ
اضْرِبْ فِیْ اعْنَاقِکُمْ بِالْسَّیْفِ
عَنْ خَیْرِ مَنْ حَلَّ بِارْضِ الْخِیْفِ
اضْرِبْکُمْ وَلَا اِرِیْ مِنْ حِیْفِ
”میں حر ہوں اور مہمانوں کا پناہ دینے والا ہوں، میں تمہاری گردنوں پر تلوار چلاؤں گا۔ اس امام کی جانب سے جو سر زمین مکہ کا سب سے بہتر رہنے والا ہے۔ میں تم کو تلواریں لگاؤں گا اور ذرا بھی اس کو ظلم نہیں سمجھوں گا۔“

حملہ اور جنگ

اس رجز کے بعد حملہ کر دیا، اور شمشیر زنی شروع کی اس

حر نے اہل کوفہ کی فوج کے سامنے آ کر تقریر شروع کی۔
”اے کوفہ والو! تمہاری مائیں تمہارے غم میں روئیں۔
تم نے اس بزرگوار کو بلایا اور جب وہ آیا تو تم نے اسے دشمن کے سپرد کر دیا۔ تم نے خیال ظاہر کیا تھا کہ تم ان پر جان نثار کرو گے پھر تم نے خود ان پر چڑھائی کر دی اور ان کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ تم نے ان کے نفس کے آمدور شد کو مسدود کر رکھا ہے اور گلا گھونٹنے پر آمادہ ہو اور چاروں طرف سے انہیں گھیر رکھا ہے۔ تم نے ان کو خدا کی چوڑی چکلی زمین میں جد ہر وہ امن کا راستہ پائیں جانے سے روک دیا ہے اور وہ تمہارے ہاتھ میں قیدی کی طرح سے ہو گئے ہیں اور بے بس ہیں۔ اور تم نے ان کو، ان کے اہل حرم اور بچوں کو اور ان کے اصحاب کو فرات کے بہتے ہوئے پانی سے روک دیا ہے۔ وہ پانی جس کو یہودی اور مجوسی اور نصرانی تک پیتے ہیں اور عراق کے سور، کتے تک اس میں آکر لوٹتے ہیں۔ اور یہ لوگ ہیں کہ ان کو پیاس نے جاں بلب کر رکھا ہے۔

کیا برا ہے وہ سلوک جو تم نے محمد مصطفیٰ کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ کیا ہے۔ خدا تم کو اس شدت کے پیاس والے دن سیراب نہ کرے۔ اگر تم ابھی، آج، اسی دم تو بہ نہ کر لو اور اپنے طرز عمل سے پشیمان ہو کر باز نہ آ جاؤ۔“

دشمن کو تقریر حر کی ناگوار تھی۔ کچھ پیادوں نے فوج کے حملہ کیا۔ تیر چلائے حر نے تقریر موقوف کر دی۔ جنگ باقاعدہ شروع نہ ہوئی تھی، اس لئے وہ آکر امام کے سامنے کھڑا ہو گیا۔^(۱)

اذن جہاد

لڑائی شروع ہو چکی، عبداللہ بن عمیر کلبی میدان جنگ میں ایک کار نمایاں کر چکے یعنی ابن زیاد کے دو غلام یسار و سالم

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۴۵

جنگ مغلوبہ میں شرکت

ظہر کے قریب فوج دشمن نے تیروں کا مینہ برسایا اور ادھر سے اصحاب امام حسینؑ نے بھی مجموعی حیثیت سے تلواریں کھینچ کر حملہ کر دیا یہی وہ عظیم جنگ ہے جو تاریخ میں حملہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔^(۱)

اس جنگ میں حرنے بھی حصہ لیا اور ان کا گھوڑا جو اس کے پہلے زخمی ہو چکا تھا اس موقع پر پے ہو گیا اور وہ مثل تمام اصحاب امام حسینؑ کے جن کے گھوڑوں کا اس حملہ میں خاتمہ ہو گیا تھا پیادہ ہو گئے جس کا تذکرہ ان کے دشمن ایوب بن مشرح حیوانی نے اس طرح کیا ہے کہ:-

میں نے حرن یزید کے گھوڑے کو تیر لگایا جس سے وہ تھرا کر منہ کے بھل گرا۔ حر چھلانگ مار کر زمین پر آئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیر ہے اور تلوار ان کے ہاتھ میں تھی۔ وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:-

ان تعقروا بی فانا ابن الحر
اشجع من ذی لبدهزبر
”میں ایک شریف کا فرزند ہوں اور شیر سے زیادہ شجاعت کا مالک ہوں۔“

جنگ کا یہ عالم تھا کہ (راوی کہتا ہے) میں نے کوئی اس طرح کا شمشیر زنی کرنے والا نہیں دیکھا۔^(۲) اس جنگ مغلوبہ میں دشمن کو شکست ہوئی اور حراس موقع پر بھی شہید نہیں ہوئے۔

آخری جنگ اور شہادت

دو پہر ڈھل چکی، نماز ظہر کا وقت آیا اور ابو ثمامہ صاندی نے امامؑ سے نماز جماعت کے لئے کہا۔ امامؑ کی جانب سے فوج مخالف سے مہلت نماز کی درخواست کی گئی اور اس کا جواب ناگوار ملا جس پر حبیب بن مظاہر کو تاب نہ رہی اور انہوں نے

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو محاربہ کربلا، ص ۲۷-۲۵

(۲) طبری، ج ۶ ص ۲۵۰

وقت جب حر لشکر سے جدا ہو کر امام حسینؑ سے جا کر ملا ہے تو بنو حارث بن تمیم کے ایک شخص نے جس کا نام ”یزید بن سفیان“ تھا یہ کہا کہ بخدا اگر میں دیکھ لیتا حر کو اس وقت جب وہ نکل رہا تھا تو ایک نیزہ میں اس کا کام تمام کرتا اب جب کہ حرن تنہا اتنی بڑی فوج میں جنگ کر رہا تھا، آگے بڑھ کر تلواریں لگا رہا تھا اور عشرہ کا یہ شعر اس کی زبان پر تھا:-

مازلت ارمیہم بشجرة نحرہ
ولبانہ حتی تسر بل بالدم

”میں برابر ان کے اوپر پھینکتا رہا اپنے گھوڑے کی گردن اور اس کے سینہ کو یہاں تک کہ اس گھوڑے نے سر سے پاؤں تک خون کی چادریں اوڑھ لیں۔“

یہ شعر بالکل اس کے حسب حال تھا کیونکہ اس کا گھوڑا زخمی ہو چکا تھا، اس کے سرو چہرہ پر تلواریں پڑی تھیں اور خون بہہ رہا تھا۔ اس وقت حصین بن تمیم، اس قادیسیہ والی فوج کے افسر نے جس کا حر پہلے ماتحت تھا یزید بن سفیان سے کہا کہ ”دیکھو حر یہی تو ہے جسے قتل کرنے کی تم آرزو رکھتے تھے۔“ اس نے کہا ”اچھا“ یہ کہہ کر وہ باہر نکلا اور آواز دی۔ ”حر بن یزید! کیا مقابلہ منظور ہے؟“ حر نے کہا ”ہاں ضرور“ یہ کہہ کر سامنے آگئے۔ خود حصین کا قول بیان کیا گیا ہے کہ بس یہ معلوم ہوا جیسے یزید کی جان حر کے قبضہ میں تھی۔ دم کے دم میں قتل ہو گیا۔^(۱)

یہ ایسا پرہیزگار منظر تھا کہ دشمن کا پراہند ہو گیا اور حر کے مقابلہ کو پھر کوئی نہیں نکلا۔ آخر حر اپنے گھوڑے کو جو زخمی ہو چکا تھا موڑ کر اپنے مرکز کی جانب واپس آگئے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ حر سب سے پہلے شہید ہیں۔ اس کی بنیاد ان کی طلب رخصت والے الفاظ پر ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اس حملہ میں شہید نہیں ہوئے۔ ان کے پہلے وہ تمام لوگ شہید ہوئے جن کا تذکرہ اس سے پہلے ”حصہ اول“ میں ہو چکا ہے۔

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۴۸

امام کی قدر افزائی

امام نے اپنے اس ناصر کی یہ قدر کی کہ جب اس کی لاش میدان سے اٹھا کر لائی گئی اور حضرت کے سامنے رکھی گئی تو آپ خاک و خون حر کے چہرے سے صاف کرنے لگے اور فرمانے لگے:-

”انت الحر کہا سَمْتَكَ امك وانت الحر في الدنيا وانت الحر في الآخرة۔“

”تم بیشک حر ہو۔ تمہاری والدہ نے تمہارا نام حر بہت ٹھیک رکھا تھا۔ تم دنیا میں بھی حر ہو، اور آخرت میں بھی حر۔“
یہی الفاظ ہیں جو آپ خود حر سے اس کی زندگی میں ارشاد فرما چکے تھے اور یہی اس کی لاش پر بھی آپ نے کہے۔

امام کا سلام

زیارت شہداء میں جو تحفۃ الزائر میں مذکور ہے حر پر بھی سلام موجود ہے:-

”السلام علی الحر بن یزید الریاحی۔“

کیا کہنا حر کی اس سعادت شہادت کا جس نے اس کو سلام امام کا مستحق بنادیا۔

معتبر کتابوں سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حر کے ساتھ اس کا فرزند، غلام یا بھائی بھی تھا۔ لیکن سپہر کاشانی نے بعض غیر معروف کتابوں سے اس کو نقل کیا ہے:-

”حر روئے باپسر خود علی کرد و گفت اے فرزند بریں قوم ستمگار ترک تازی کن و چند کہ توانی داد جہاد بدہ پسر حراسپ برانگیخت و بر سپاہ کوفہ حملہ گزید افگند کوفیاں اور اد پر دہ افگندند و رزمے صعب دادند، در شرح شافیہ مسطور است کہ پسر حر بیست و چہار کس از مشرکین را مقتول ساخت و ابو مخنف گوید ہفتاد کس بکشت آنگاہ مقتول گشت، حرا از شہادت فرزند عظیم شاد شد و قال الحمد لله الذی

حملہ کر دیا۔ آخر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ اس کا اثر جو امام پر ہوا وہ بھی آپ حصہ اول میں پڑھ چکے۔

کہاں حر کا وہ ارادہ کہ سب سے پہلے شہادت کا درجہ وہ حاصل کرے اور کہاں اتنی تاخیر کہ حبیب بن مظاہر ایسا مخصوص امام کا ساتھی شہید ہو جائے اور حر باقی رہے۔

امام کے چہرہ پر شکستگی کے آثار نے بھی اصحاب کے دل پر خاص اثر کیا۔ حر نے اب مضبوط ارادہ کر لیا کہ وہ اب اپنی منزل مقصد پر پہنچ جائے، اس نے یہ جز پڑھی:-

الیت لا اقتل حتی اقتلا

ولن اصاب الیوم الا مقبلا

اضربهم بالسيف ضربا مفصلا

لانا کلا عنهم ولا مهلا

”میں قسم کھاتا ہوں کہ قتل نہ ہوں گا جب تک دشمنوں کو قتل نہ کر لوں اور مارا نہ جاؤں گا مگر پیش قدمی کی حالت میں۔ میں آج تلواریں لگاؤں گا فیصلہ کن تلواریں، نہ میرے قدم پیچھے ہٹیں گے اور نہ کمزوری کا اظہار ہوگا۔“
کبھی یہ شعر پڑھتے تھے:-

اضرب فی اعراضهم بالسيف

عن خیر من حل منی والخیف

”میں شمشیر زنی کروں گا اس بہترین انسان کی جانب سے جس نے سرزمین حرم میں کبھی قیام کیا۔“

معلوم نہیں امام کا اشارہ تھا اور حر کا خیال یا خود اپنی جانب سے کہ زہیر بن قین نے حر کے ساتھ مل کر جہاد شروع کیا۔ حالت یہ تھی کہ جب ایک گھر جاتا تھا تو دوسرا بڑھ کر اسے چھڑانے کی کوشش کرتا تھا۔ تھوڑی دیر یہی صورت قائم رہی۔ لیکن اس کے بعد پیادوں کی فوج نے حر کو سختی سے گھیر لیا۔ اور زہیر کی مدافعت ناکام ہوئی آخر حر قتل ہو گئے۔^(۱)

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۵۲

رزقك الشهادة بين يدي مولانا الحسين بن
امير المؤمنين عليهما السلام۔“^(۱)

’شرح شافیہ‘ جس کا حوالہ دیا گیا ہے بالکل مبہول ہے۔ ابو مخنف کی اصل تاریخ اگر دستیاب ہوتی تو وہ بہت کچھ معتبر سمجھی جاسکتی تھی مگر افسوس ہے کہ اس اصل تاریخ کا وجود نہیں ہے اور ابو مخنف کا نام عام تاریخوں میں اس طرح لیا جانے لگا ہے جیسے مقامات حریری میں ’حارث بن ہمام‘۔

تاریخ ’روضۃ الاحباب‘ میں جو محدث جمال الدین اصفہانی کی تصنیف ہے، حرّ کے بھائی مصعب بن یزید ریاحی کا بھی تذکرہ ہے اور لکھا ہے کہ جب حرّ میدان جنگ میں آیا اور رجز پڑھنے لگا تو اس کا بھائی مصعب جو ابھی لشکر عمر سعد میں تھا گھوڑا دوڑا کر آگے بڑھا، فوج والے سمجھے کہ وہ اپنے بھائی کے مقابلہ کو جاتا ہے۔ جب قریب آیا تو اس نے حرّ کی تعریف کی اور کہا کہ آپ نے مجھے بھی ہدایت کا راستہ دکھا دیا۔ میں بھی توبہ کرنے کے لئے آیا ہوں۔ حرّ اس کو امام کی خدمت میں لائے اس نے توبہ کی اور اصحابِ امام کی صف میں کھڑا ہو گیا۔^(۲) حرّ کی شہادت کے بعد مصعب نے اجازت جہاد حاصل کی اور جنگ کر کے شہید ہوا۔^(۳)

قطعه

نہ جاتے آپ اگر دشتِ کربلا کی طرف
نگاہِ ہند میں جلوے سما گئے ہوتے
دلوں کے فرش بچھا دیتے خیرِ مقدم کو
حسینؑ! آپ جو بھارت میں آگئے ہوتے

(بقیہ صفحہ نمبر ۴۳ کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

امام حسینؑ کو خدا سید الشہداءؑ کہتا ہے، جبرئیل کہتے ہیں، حضرت نوحؑ سید الشہداءؑ سمجھتے ہیں یہی وجہ ہیں جن سے اہل سنت کے علماء ہر دور میں امام حسینؑ کو سید الشہداءؑ تسلیم کرتے رہے۔ اور آج بھی بصد فخر شہیدوں کا سردار کہتے ہیں جن کو ہم بخوف طول ترک کرتے ہیں۔

سوادِ اعظم کی معتبر تاریخ سے فرزندِ رسول کی سرداری ثابت ہو چکی جس کے بعد اب کی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں اسلامیانِ عصر کی تشفی کے لیے پیغمبرِ ماقول کافی ہے خاتمہ کلام میں ہم یہ چاہتے ہیں کہ اگر کوئی غیر مسلم عیسائی ہم سے ایسا مطالبہ کرے تو ان کی مقدس کتاب بھی بارہ اماموں کی سیادت کے جوہر سے لبریز ہے۔ بائبل میں موجود ہے۔

(کتاب مقدس پرانا اور نیا عہد نامہ ۱۸)

